سدرشن

یعنی

زیارت حق

ایک عجیب دلچسپ مضمون

مصنّف

آپکا ایک سچّا خیر طلب خادم

حصّہ اوّل

سلیمانی پریس بنارس میں چھپا

سنہ ۱۹۰۸ع

فہرست مضامین

غلطنامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۷	کنار	کناری
؍؍	۸	مارہا	مارتا
۳۲	۷	ساوتھ	ساتھ
؍؍	۱۱	اِٹھا	اُٹھا
۳۴	۱۲	مسمدبیا	سمندرکیا
۴۱	۱۰	ظہو	ظہور
۶۸	۱۱	اٹکم	انکم
۸۶	۱۵و ۱۷	الجھمن	الجھیں
۱۰۹	۴	سکتی	سکتی
۱۲۴	۱۷	کر	کہ



فصل اوّل

انسان کی اصل سچدانند ہے



موسم گرما کا عین شباب تھا۔ لو کی شدت اور آفتاب کی حدت مارے ڈالتی تھی ع

گرمی کی وہ شدت تھی کہ خس جلتی تھی بلبل

انہیں ایام میں کچھ رنج والم ایسے لاحق ہوئے کہ دل پر قابو نہ رہا۔ ع

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیون

ادھر تو اندرونی کاہشون کا ہجوم اُدھر بیرونی اذیتون کی مارامار۔ نہ دن کو چین تھا نہ رات کو قرار۔ سخت حیران تھا کہ کیا کرون اور کہاں جاؤں! یک بیک دل مین خیال آیا کہ چلو ہردوار کی سیر کریں۔ شاید سیر و سفر ہی سے کچھ تسکین خاطر ہو چنانچہ شب کی ریل میں بیٹھ روانہ ہو گیا اور صبح کے آٹھ بجتے بجتے ہردوار جا اُترا۔ اول اشنان کر کے کچھ کھانا کھایا اور کھاتے ہی لیٹ رہا کہ ذرا نیند آجائے تو

دردِ سر جو رات بھر کی بیخوابی سے ہوگیا ہے رفع ہو جائے۔ مگر نیند کیا خاک آتی وہی لو وہی تپش اُس پر طرہ یہ کہ مکان ملا تو پتھر کا جسکے درو دیوار سے آگ برستی تھی کچھہ سر کا درد بڑھا کچھ پیاس کی شدت ہوئی آگے سے بھی زیادہ بے چین رہا خدا خدا کرکے دن کاٹا شام ہونے آئی تو قیام گاہ سے نکل گنگا جی کے کنارے جا بیٹھا۔ وہان بھی جی نہ لگا تو ناچار بستی کو چھوڑ جنگل کی راہ لی ؎

شہر مین لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل		اب کہان لیجا کے بیٹھین ایسے دیوانہ کو ہم

کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ دریا کے کنارے ایک کنج تنہائی نظر آیا نہایت پر فضا خوش منظر ریتی کا قدرتی فرش بچھا ہوا ہے۔ سرد و صاف پانی موجین مارتا شور مچاتا بے تکان چلا جا رہا ہے۔ بشاش مچھلیاں تیرتی اچھلتی نظر آتی ہین۔ سامنے چھوٹے چھوٹے خوشنما پہاڑ ہین جو سبزی سے بھرے پڑے ہین جودھوین کے چاند نے جو دریا کے کنارے سے کھیت کیا ہے تو لہرون کا نقرئی لہریا بنا دیا ہے۔ ہوا مین خنکی آچلی ہے۔ ریتی بھی ٹھنڈی ہوگئی ہے یہ سمان دیکھکر قدرے تسکین ہوئی۔ کپڑے اتار وہین اشنان کیا اور ریتی میں بیٹھ گنگا جی کے نظارہ سے جی بہلانے لگا۔ بارے جی تو بہل چلا تھا مگر تفکرات نے پھر آدبایا اور وہی کلفتیں شروع ہوگئیں جن سے جان بچاکر بھاگا تھا۔ بار خدایا اس بلائے بے درمان نے تو یہان بھی پیچھا نچھوڑا اب کہان پناہ لون۔ خدایا تو نے یہ ٹھنڈی ٹھنڈی لہرین یہ بھینی بھینی چاندنی یہ نرم نرم ہوا بہت اچھا بدل تپش آفتاب کا بنا دیا ہے۔ مگر اس دل کی پریشانی اور سوز تنہائی کا بھی کچھ علاج ہے۔ خدایا ظاہری کلفتون کے مٹانے کو تو یہ پر فضا مقام بس ہے مگر کوئی ایسا گوشۂ عافیت بھی ہے جہان اندرونی تشویشون سے نجات پاسکون؟ کاش کوئی ایسا محفوظ مقام ہوتا کہ افکار و آلام کا لشکر اُسکے گرد پھٹکنے نہ پاتا۔ دائمی یکسوئی اور شانتی مین

کوئی حلّ ادراک نہوتا ا مین اسی سوچ مین تھا کہ غنودگی سی طاری ہوئی اور آنکھ جھپک گئی
دیکھتا کیا ہون کہ ایک بیابان وسیع ہے جس میں لوگوں کا اژدحام کثیر چلا جا رہا ہے
میں بھی اُس بھیڑ بھاڑ مین جا ملا ہون اور تفتیش حال کے لئے اِدھر اُدھر پھرتا ہوں معلوم
ہوا کہ ہیں تو سب مسافر مگر اپنے اپنے گروہ لیے اپنے غول جُدا بنا رکھے ہین اور ہر گروہ نے
ایک رستہ اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے ہان کوئی اکّا دُکّا بدلا مسافر ایسا بھی پایا جو سب سے
الگ تن تنہا سفر کر رہا ہے - اس بیابان لق و دق مین جا بجا خار دار جھاڑیاں ہین نشیب و
فراز ہیں - کہین گہرے گہرے غار ہیں کہین ریگستان ہین جن مین ٹھوکروں کے جھنڈ ہین -
شارع عام کا پتہ نہین - جگہ جگہ پگڈنڈیاں نظر آتی ہین - انہیں رستوں سے قافلے کے قافلے
گزر رہے ہین - ٹوٹے پھوٹے پتھرون اور کہنہ و فرسودہ نشانیون سے یہ بھی پتا چلا کہ
کسی اگلے زمانہ مین یہاں پختہ سنگین سڑک بنی ہوئی تھی - مگر جاتریوں کے فرقے فرقے
جدا ٹولیان ٹولیان الگ ہو گئیں - پھر ہر ایک ٹولی کا رستہ الگ - اِن رہنماؤن نے
اپنے اپنے پیرؤں کو صلاح دی کہ آؤ تم کو سیدھی راہ نکال دے چلیں جبھی سے یہ پگڈنڈیوں
کی مختلف راہین بن گئیں اور وہ پکّی سڑک رفتہ رفتہ متروک ہو کر اس حالت کو پہونچ گئی
البتہ بعضے اہل ہمت ایسے بھی دیکھے کہ محض ابنائے جنس کی خیر خواہی اور مسافرون کی
امن آسایش کے لئے اُس قدیم شاہراہ کی مرمّت مین مشغول ہیں - نہ اجرت کے
خواہان نہ صلہ کے طالب - مین نے ظاہری کیفیت تو سب دیکھی بھالی مگر عقل دنگ
تھی کہ اتنا بڑا مجمع کہاں جاتا ہے اور اس سفر کی مصیبت مین کیون مبتلا ہے ؟ اسی
حیرت میں تھا کہ حسن اتفاق سے ایک سیاسی نظر پڑا جسم لاغر قد لنبا - رنگ گورا
سر برہنہ گھونٹم گھوٹ - کشدہ پیشانی - گیروا لباس - سن و سال کوئی تیس کے لگ بھگ

دائین ہاتھ مین ناریل کا کمنڈل لئے مجمع سے الگ تھلگ کسی تصور مین قدم قدم چلا جاتا ہے اسکا بشاش نورانی چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ تسکین ابدی اور سرور دائمی کا مسکن ہے تو اسی کا دل ہے۔ مین بے اختیار اُسکے پیچھے ہولیا۔ تھوڑی دور چلکر ایک ندی کے کنارے کھجورون کے سایہ مین وہ بیٹھ گیا تو مین نے عرض کیا مہاراج! حکم ہو تو مین بھی بیٹھ جاؤن اور جو خدمت فرمائے سر آنکھون سے بجالاؤن۔ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مسکرا کر بولے بابا! کیا یہ ہماری جاگیر ہے جو تم نے اجازت کی ضرورت سمجھی۔ یہ تو قدرت کا کارخانہ ہے جس مین سب کا حق برابر اور سب کا دعوی مساوی ہان فرق مراتب کے لحاظ سے کوئی حاکم ہے کوئی محکوم۔ کوئی خادم ہے کوئی مخدوم۔ سو میرے تمھارے درمیان یہ فرق بھی نہین۔ انسانی حیثیت سے دونون یکسان تم بھی آدمی مین بھی آدمی۔ مین نے کہا مہاراج یہ تو سچ ہے مگر آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی پتھر۔ آپ بزرگ ہین واجب التعظیم ہین اس لئے ہم جیسون کو آپ کی خدمت و اطاعت ہی لازم ہے اور بیٹھنے کی اجازت مین نے اسواسطے چاہی کہ مبادا آپ کے تخلیہ مین میری موجودگی کچھ حارج ہو۔ فرمایا بابا! تم کو اس گیروا لباس نے دھوکے مین ڈالا جو مجکو واجب التعظیم سمجھے اور میرے تخلیہ کا لحاظ کیا ارے بابا! تخلیہ صرف مقام تنہائی کا نام نہین۔ وہ تو دل کی ایک حالت ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ ممکن ہے خلوت ہو یا جلوت۔ تنہائی ہو یا مجمع اُسکے لئے کوئی مزاحم نہین ؎

اگر دل گرفتار ہے مخصوصات مین ۔۔۔ تو خلوت بھی بازار سے کم نہین ہے
مگر جسکے دل کو ہے یکسوئی حاصل ۔۔۔ تو وہ انجمن مین بھی خلوت نشین ہے

مین نے جو بابا جی کو ایسا خلیق اور حق پسند پایا تو اور بھی بات چیت کرنے کی جرأت ہوئی۔ نہایت ادب سے عرض کیا۔ مہاراج اگر تکلیف نہو تو مجکو اپنی بات بتا دیجئے

کہ یہ گروہا گروہ خلقت جو سرگرم سفر ہے کہاں سے آئی اور کدھر جاتی ہے؟ بولے تمھارے اس سوال پر مجھے ہنسی آتی ہے کیونکہ تم بھی انہیں مسافرون مین کے ایک مسافر ہو۔ اچھا تم ہی بتاؤ کہاں سے آئے اور کہان کو جارہے ہو؟ میں نے کہا کیا عرض کرون مجکو اپنی جہالت پر سخت افسوس ہے۔ اسی لئے آپ سے سوال کیا اگر مین جانتا تو پوچھتا ہی کیوں ۵

ظاہر مین گرچہ بیٹھا لوگون کے درمیان ہون
پر یہ خبر نہین ہے میں کون ہوں کہاں ہون

فرمایا خیر تم نہین جانتے تو سنو یہ آنا جانا اور سفر وحضر تو صرف کہنے کی بات ہے ورنہ اصل مین یہ "**سدرشن کا میلہ**" ہے۔ مین نے کہا مہاراج مین تو اب بھی نہ سمجھا۔ سدرشن کی تشریح کیجیئے تو کچھ بھید کھلے۔ کہنے لگے اسکی شرح غور طلب مضمون ہے ذرا جی لگاکر سنو۔ دیکھو انسان کے دل میں طرح طرح کی خواہشین پیدا ہوتی ہیں۔ اگر ان خواہشوں کی قسمیں چھانٹو تو کسی خواہش کو ان تین قسمون سے باہر نہ پاؤگے۔

خواہش بقا۔ خواہش علم۔ خواہش سرور

(۱) خواہش بقا

ہر انسان کی یہ دلی خواہش رہتی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کو زندہ رہے۔ موت کا نام آیا اور اس کا دل گھبرایا۔ زوال ہستی کا خیال بندھا اور اسکے اوسان خطا ہوئے۔ وہ تو یون چاہتا ہے کوئی ایسا خضر ملے جو آب حیات کا گھونٹ پلاکر جنم جنم کو موت کا کھٹکا مٹادے یا کہین سے ایسی اکسیر اعظم ہاتھ آجائے کہ بیماری وضعف پیری سے عمر بھر کو چھٹکارا ہو۔ وہ صرف دوا دارو ہی پر قناعت نہین کرتا بلکہ خیر خیرات۔ دان پن۔

صدقہ قربانی - نذر بھینٹ - گرہنت پڑھنت - تعویذ گنڈے - جنتر منتر - دعائین وظیفے -
غرض ہزار ہزار جتن کرتا ہے کہ کسی طرح موت اور اسباب موت سے اپنے آپکو بچائے
جب سرمدگی جاوید کی تدبیر کسی عنوان سے بن نہین پڑتی تو ناچار درازی عمر ہی کی فکر مین
کرتا ہے اور آخر دم تک موت کے مقابلہ پر کمر بستہ رہتا ہے باین ہمہ اُسکو یہہ بھی یقین
کامل ہے کہ یہ جسم فانی ہے اور موت ایک نہ ایک دن آنی ہے کو تج کی گھڑی سر پر
کھڑی ہے نہ دعا سے ٹلے نہ دوا سے رُکے جب ہر طرح سے ہار مانی اور موت پر کچھ بس
نہ چلا تو خواہش بقا دوسرا رنگ بدل کر آتی اور انسان کو یہ سمجھاتی ہے کہ خیر دنیا میں ہم نہ رہین
تو ہمارا قائم مقام ہی رہے ؎

گرچہ ہم صفحۂ ہستی پہ ہین اک حرف غلط	لیکن اُٹھین بھی تو اک نقش بٹھا کے اُٹھین

وہ اپنے دوام و قیام سے مایوس ہوکر اولاد کی بقا کو اپنی بقا اُسکی حیات کو اپنی حیات
تصور کرتا ہے اور یہ تصوّر کچھ بیجا بھی نہین - آخر اولاد بھی تو اُسی کا قطرۂ خون اور اُسی کا
جزو بدن ہے - اسی لئے جو بات اپنے واسطے چاہتا وہ اُسکے لئے چاہتا ہے - اپنا
مال و متاع گھر بار عمر بھر کی کمائی کس خوشی سے اُسکے لئے چھوڑتا ہے گویا خود ہی قابض
ہے - یہان تک کہ جن کے صلبی اولاد نہین ہوتی وہ عزیز و اقارب مین سے
یگانوں بیگانوں مین سے کوئی بچہ گود لیکر پالتے پرورش کرتے اور اپنے ورثہ کا وارث
بناجاتے ہین کہ مرے پیچھے کوئی نام لیوا باقی رہے اور دنیا مین انکا جانشین کہلائے
حقیقی یا فرضی اولاد تو ایک طرف انسان اپنی بقا پر ایسا فریفتہ ہے کہ ہر چیز مین ہر کام مین
ہر بات مین اُسکو تلاش کرتا اور تنکے کا سہارا بھی غنیمت جانتا ہے - کنوان - تالاب -
پُل - باغ - مندر - مسجد - دھرم شالہ - خانقاہ - مہمانسرائے - مقبرہ - لاٹ - منارہ - تصنیف

وتالیف۔ایجادواختراع۔تازہ تحقیقات شان ونمود کا کام ان سب یادگاروں کی بنا عموماً اسی خواہش پر ہے کہ دنیا ہم کو بھول نہ جائے ہم ہوں تو ہمارا نام ہی رہے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

رستم رہا زمیں پہ نہ سام رہ گیا	مردوں کا آسمان کے تلے نام رہ گیا

الغرض ہر شخص ہمیشہ اپنی بقا کا طالب ہے مرنے سے ڈرتا اور جیسے یہ مرتا ہے ایسی حیات کو بے ثبات پاکر ایسی یادگاروں ہی کا نقشہ جماتا ہے مگر لب کے ؎

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا	مٹے ناميوں کے نشاں کیسے کیسے

(۲) خواہش علم

یہ بھی ایک قدرتی خواہش ہے کوئی فرد بشر اسکے چسکے سے خالی نہیں بچہ بڈھا۔جاہل۔عالم۔گنوار۔حکیم۔کسی رتبہ یا کسی پیشہ کا آدمی ہو خواہش علم سب میں پائی جاتی ہے۔بچہ باپ سے پوچھتا ہے۔باباجان یہ آسمان کیا ہے؟ زمین کیونکر بنی؟ یہ سورج کیوں چکر کاٹتا ہے؟ یہ چاند کیوں گھٹتا بڑھتا ہے؟ یہ بادل کہاں سے آئے؟ ہوا کیوں چلی؟ یہ تارے کس نے بنائے؟ غرض ہر چیز جو اسکو نظر آتی ہے اُسکی حقیقت جاننا چاہتا ہے جسکی خبر باپ تو باپ اُسکے لکڑ دادا کو بھی نہ تھی۔

ایک دکاندار عدالت کے چپراسی سے پوچھتا ہے میاں جی بھلا اُس ڈاکہ کے مقدمہ میں کیا حکم ہوا؟ حالانکہ اُس کو مقدمہ سے کچھ سروکار نہیں ایک راہگیر ریلوے کے ملازم سے پوچھتا ہے۔کیوں بابو جی وہ جو ہاترس کے پاس ریل گاڑیاں لڑ گئی ہیں کچھ اُنکی کیفیت آپ نے بھی سُنی؟ اسی خواہش کا نتیجہ ہے کہ طرح طرح کے اخبار گزٹ میگزین

نکلتے ہیں اور دنیا کے تازہ ترین حالات وحادثات و واقعات کی خبریں روزانہ ہفتہ وار
ماہوار پہونچاتے رہتے ہیں - مگر یہ تو خواہش علم کی ادنیٰ چاٹ ہے جسکا چسکا اسکو صبح
شام لگا رہتا ہے - رہی سیری سو وہ تو بڑے بڑے کتب خانون سے بھی جن میں ہزارہا
جلدیں بھری پڑی ہیں محال ہے - اسی لئے ہر سال ہزارون نئی کتابین مختلف علوم
وفنون کی تالیف وتصنیف ہوتی اور چھپتی ہین انسان چاہتا ہے کہ اپنی حقیقت اور نہ
صرف اپنی بلکہ کل عالم کی ماہیت اسکو معلوم ہو جائے اسی غرض سے طبیعی ریاضی فلسفہ
مذہب وغیرہ علوم ایجاد ہوئے اور جو کچھ ترقیان ان مین ہوتی چلی جاتی ہیں وہ سب اسی
خواہش کی بدولت ہین جو لوگ علم دوست ہیں اُن مین یہ خواہش ایسی زبردست ہو جاتی
ہے کہ مرتے مرتے بھی تحصیل علم سے نہیں چوکتے - ایک مہندس کی نقل ہے کہ وہ کوئی
مسئلہ ریاضی کا حل کر رہا تھا - انھین دنون غنیم شہر کو محاصرہ کئے پڑا تھا یہانتک کہ شہر فتح ہو گیا
اور چند سپاہی ننگی تلوارین لئے اُسکے سر پر آپہونچے - تب تو مہندس کے چھکے چھوٹے لگا
منت سماجت کرنے "بھائی اتنی مہلت دیدو کہ مین اس سوال کو حل کر لون پھر تم کو اختیار ہے
بے تکلف مار ڈالنا" وہ جو لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم کو مرنے کی بھی فرصت نہین سو عوام کے لئے
تو ایک قسم کا مبالغہ ہی مبالغہ ہے مگر اہل علم کی مصروفیت دیکھو تو ایک بیان واقعی ہے اور یہ
بھی اس خواہش کا خاصہ ہے کہ کبھی پوری نہیں ہوتی مہد سے لحد تک اپنا کام کئے جاتی ہے
کیونکہ آدمی ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ ہر شئی کی اصل وحقیقت کو جانے پہچانے اور اس سے
کوئی بھید قدرت کا پوشیدہ نہ رہے - لیکن قدرت کے قوانین اور اسرار ہیں لانہایت اس لئے
اسکا علم بھی ہے بعید و غایت انسان جس قدر علم حاصل کرتا ہے اسی قدر خواہش بڑھتی جاتی ہے
پھر سیری ہو تو کیونکر ہو - عالم جب میدان علم کی وسعت پر نظر کرتا ہے تو اُسکے آگے

اپنی معلومات کو حقیر و ناچیز جاننا اور اپنے آپ کو طفل مکتب سمجھتا ہے۔ البتہ او چھی پونجی والون کو اپنے علم کا غزہ ہوتا ہے اور غلطی سے اپنے آپ کو دھنا سیٹھ سمجھنے لگتے ہین۔ لیکن جب آگے بڑھکر علم کے بیش بہا خزانے دیکھتے ہین تو اپنی حام خیالی سے خود شرماتے ہیں۔ علم کا چشمہ بھی عجیب چشمہ ہے جسکا تھوڑا پانی پیئے تو آدمی دیوانہ ہجائے زیادہ پیئے تو عاقل و فرزانہ۔

(۳) خواہش سرور

یہ خواہش بھی فطری ہے کیونکہ ہر انسان مین ہے اور نہایت قوی ہے۔ کون ہے جو راحت کا طالب اور رنج سے خائف ہو ہر کوئی تب و روز اس دُھن میں لگا رہتا ہے کہ جہان تک ہو سکے اور جیسے بنے عیش و نشاط کا سامان مہیّا رکھے کسی وقت دل پر میل نہ آنے پائے۔ ساری عمر خوشی و خرمی مین بسر ہو۔ مگر آدمی کتنے ہی ساماں بہم پہونچائے اور کتنے ہی ہاتھ پاؤن مارے آسایش کی نسبت تکلیف مین زیادہ گرفتار رہتا ہے۔ البتہ اُسکے ساتھ ایک مونس غمخوار ایسا ہے جو ہر حالت مین اُسکی دلدہی کرتا اور کوششون پر آمادہ رکھتا ہے۔ آسودگی کے زمانے مین یون پھسلاتا ہے "ارے میان! کیسا رنج اور کہان کا ملال! ان باتون کا خیال بھی دل مین نہ لاؤ۔ خدا عیش کی گھڑیان سلامت رکھے۔ عمر بھر چین کیے جاؤ ؎

اب تو آرام سے گذرتی ہے		عاقبت کی خبر خدا جانے"	

دکھ درد کی حالت میں یوں تسلی دیتا ہے کہ "ہمیشہ دن ایک سے نہیں رہتے۔ کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتین۔ جو نہی نہ رہی تو غم کیون رہیگا۔ یہ بھی ایک وقت ہے اب گزرا ع۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔ ذرا صبر کرو پھر چین ہی چین ہے یہ بُرے دن یاد بھی نہ رہینگے" ایسا شفیق غمگسار کون ہے؟ امید جو ہمیشہ تجربہ کے خلاف بھی یقین

دلاتی ہے۔ کہ جو ہوا سو ہوا آیندہ ہرگز ایسا ہوگا غرض ساری عمر انسان کی اسی کشمکش میں گزر جاتی ہے۔ کبھی دکھ کبھی سکھ کبھی رنج کبھی راحت۔ آخرکار ایک دن موت اسکی گردن آدباتی اور سب جھگڑے چکا دیتی ہے۔ یہ ڈھارس سدھانے والی امید بھلے کو ساتھ لگی ہوئی ہے ورنہ آدمی غم و اندوہ کے اندیشے سے گھل گھل کر ان آئی مرجایا کرتا۔ الحاصل سرور جس پر آدمی اس قدر شیفتہ و فریفتہ ہے تین طرح کا ہوتا ہے

پہلا جسمانی یا حسی۔ دوسرا دماغی یا عقلی تیسرا روحانی یا باطنی

سرور جسمانی

جسمانی سرور وہ ہے جو حواس ظاہری کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے مثلاً نغمۂ شیرین یا کلام فصیح کان کی راحت ہے۔ شکیل جمیل انسان خوشنما اشیا خوش قطع مکان اور پر فضا مقام کا نظارہ سبزہ زاروں باغوں پہاڑوں کی سیر آنکھ کی آسایش ہے۔ اسی طرح مشک وعنبر و عطریات کا سونگھنا ناک کی۔ مزیدار کھانے زبان کی۔ نرم کپڑوں اور گدگدی چیزوں کا مس جلد بدن کی لذت ہے۔ جب کئی اندریوں کی راحت ایک وقت میں حاصل ہوتی ہے تو لطف بھی دوبالا ہوجاتا ہے مثلاً گویا ہو خوش گلو اور خوبرو بھی کھانا ہو آب و نمک بھی بھٹک بو باس بھی اچھی۔ کپڑا ہو خوش رنگ بھی اور نرم بھی۔ جبکہ ایک ایک دو دو اندریوں کی راحت ایسی دلکش ہوتی ہے کہ آدمی اسیر پروانہ بنجاتا ہے تو پانچوں کا اجتماع قیامت سے کم نہیں ہے

تلسی وہ کیسے جیئے جس کو لاگیں پانچ		آل پتنگ۔ مرگ مین سرگھ عزت ایک ہی آنچ

مدعا یہ ہے کہ بھورا خوشبو کے شوق میں۔ پروانہ روشنی کے عشق میں ہرن راگ کی دھن میں مچھلی کھانے کی چاشنی میں اور ہاتھی حظ نفسانی کی دھت میں ہلاک ہوجاتا ہے انسان

بیچارہ حس پر یا بحوں اندریاں غالب ہیں کیونکر زندہ رہے۔ مگر انسان میں ہر اندری کا جوش یکساں نہیں ہوتا۔ کوئی کسی اندری کا غلام ہے کوئی کسی کا۔ بعض کو عمدہ کھانوں کا شوق ہے تو بعض کو اچھے لباس کا۔ کوئی حسن صورت پر مرتا ہے تو کوئی گانے بجانے میں عمر صرف کرتا ہے۔ اکثر حکما کا اتفاق اسپر ہے کہ کل لذائد حسی میں کام یعنی خواہش نفسانی نہایت زبردست ہے۔ اس راحت کے پیچھے انسان ایسا دیوانہ ہوجاتا ہے کہ دولت۔ صحت۔ عزت۔ سبھی تو کھو بیٹھتا ہے۔ بلکہ جان تک دریغ نہیں کرتا۔ چنانچہ کسی کو کثرت عیاشی مار رکھتی ہے کوئی رقیبون کے ہاتھ سے ہلاک ہوتا ہے۔

دولت کل جسمانی راحتوں کی ضامن ہے۔ روپیہ پلے ہو تو ہر قسم کا سامان عیش فراہم ہوسکتا ہے اسی لئے انسان اسکی طلب مین سخت کوشش کرتا ہے۔ مگر جب خواہش نفسانی کا بھوت سوار ہوتا ہے تو دولت کی بھی کچھ پروا نہیں کرتا بیدھڑک اُڑا ڈالتا ہے۔

تندرستی سے بقائی حیات ہے۔ اسکی حفاظت کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا ایک اپنے دم کے لئے ہزاروں بے گناہ جانوروں کا خون بہاتا ہے۔ تندرستی ہی پر حصول علم کا مدار ہے علم طب کی اتنی قدر و منزلت صرف اسی وجہ سے ہے کہ وہ حفظ صحت کی تدبیر بتاتا ہے۔ تندرستی ہی حصول راحت کی بنیاد ہے۔ ایک صحت ہو تو سب راحتیں ہیچ ہیں لیکن لذائذ حسی کے شکاروں پر تندرستی جیسی عزیز چیز کو بھی آدمی قربان کردیتا ہے جسم و دماغ ایک حالت میں دیر تک رہنے سے تکلیف دہ ہوجاتے ہین لہذا اُن کی تبدیل حالت سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ انواع و اقسام کے کھیل و تماشے اسی لئے راحت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

عادت بھی حصول راحت کا بڑا ذریعہ ہے مثلاً حقہ پان چائے۔ اور نشیلی چیزیں

حسکہ لت پڑجاتی ہے تو اس سے بھی راحت حاصل ہوتی ہے بعض حکماء کہتے ہیں کہ محض عادت ہی راحت کی بنیاد ہے جس شے کی عادت نہیں اس مین نہ راحت ہے نہ سرور۔

سرور دماغی

دماغی سرور وہ ہے جو حواس باطنی کے وسیلے سے محسوس ہوتا ہے اس کو راحت خیالی بھی کہتے ہیں اسکے تین ذریعے ہیں۔ **اظہار خودی۔ علم۔ نیکی۔**

اظہار خودی

یہ نہایت پُرزور خواہش ہے جس سے اعلیٰ درجے کی راحت دماغی حاصل ہوتی ہے اسکے بہت سے وسائل ہیں دولت۔ طاقت۔ خوبصورتی حکومت۔ نیکنامی وغیرہ۔

دولت راحت جسمانی کے علاوہ اس سے اظہار خودی کا سرور بھی حاصل ہوتا ہے کیونکہ اہل دولت اپنے ہم چشموں مین معزز خیال کیے جاتے ہین۔

طاقت بھی اظہار خودی کا وسیلہ ہے کیونکہ زبردست آدمی اوروں پر غلبہ حاصل کرسکتا ہے خوبصورتی پر بھی آدمی کو ناز ہوتا ہے اور اس سے اظہار خودی کا خوب موقع ملتا ہے ؎

وہ رہتے ہین اپنی ہی خوبی پہ نازاں	مرے یا جیے کوئی اُن کی بلا سے

حکومت تو اعلیٰ سے اعلیٰ ذریعہ اظہار خودی کا ہے۔ دولت۔ عزت۔ شہرت سب اسکی جلو مین چلتی ہین اس لئے آدمی اسکی حصول پر مٹا ہوا ہے کونسی کوتاہی ہین جو حصول سلطنت کے لئے انسان نے نہین کئے یگانون بیگانون کے خون مین ہاتھ رنگے بیگناہون کا قتل عام جائز رکھا حکومت ہی کا نشہ ہے جو انسان کو بلاخوف میدان جنگ مین توپون کے مقابل لیجاتا ہے۔ حکومت ہی کا زور ہے جو انسان کو سردار لشکر یا سرگروہ قوم سا کر سجدہ کراتا ہے۔

نیک نامی اور شہرت مین بھی اظہار خودی کا سرور لبالب بھرا پڑا ہے اور خواہشین سرد ہو جاتی ہین تب بھی نیکنامی کی چاہت اکثر دل مین بنی رہتی ہے - کیسا ہی تارک الدنیا ہو بڑا طمع سے لاگ بے نفس ہو ایک لفظ خلاف شان کہدیجئے وہ آگ مین بھبین ہو جائیگا - یہ خواہش نہایت باریک اور پوشیدہ ہے - بسا اوقات انسان خود نہین جانتا کہ اس مین یہ خواہش باقی ہے - حالانکہ دل کے پردون مین چھپی رہتی ہے اس لئے اسکا دور کرنا بہت کٹھن کام ہے -

علم

جیسا کہ حصول راحت جسمانی کا ایک ذریعہ ہے اس سے بڑھکر اظہار خودی کا وسیلہ ہے - اگر ان دونون راحتون سے قطع نظر کرو تو بھی علم بنفسہ ایک اعلیٰ درجہ کی راحت ہے اسکا مزہ وہ ہی خوب جانتے ہین جنکو علم حاصل ہے - عالم آدمی سلطنت کی بھی پروا نہین کرتا - کیونکہ بادشاہ کو جو راحت حاصل ہوتی ہے وہ بیرونی ساز و سامان سے ہوتی ہے اس سامان مین ذرا کسر پڑی اور راحت مین خلل آیا مگر عالم خود گنجینۂ راحت ہے کسی خارجی شئے کا محتاج نہین - بعض اوقات فلاسفر کا ایک خیال اور شاعر کا ایک شعر تخت و تاج سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے - کہتے ہین کسی بہادر سردار نے ایک ملک فتح کیا اسپر اسکے ایک دوست نے مبارکباد دی تو آہ سرد بھر کر بولا کاش مین فلان نظم کا مصنف ہوتا نہ کہ اس ملک کا فاتح ؎

کم نہین ملک سخن ملک جہان سے ناسخ	گو نہین حکم رواں - طبع رواں رکھتے ہین

جب سکندر پیدا ہوا تو اسکے باپ نے حکیم ارسطو کو نامہ لکھا باین مضمون " مین نہین جانتا کہ بیٹا پیدا ہونے کی خوشی مجھے اسلئے ہے کہ وہ ایک بڑی سلطنت کا بادشاہ ہوگا یا اسلئے کہ اسکو آپ جیسے استاد کی شاگردی نصیب ہوگی "

ایک عالم کا ذکر ہے کہ وہ عرصہ دراز سے ایک سوال کے حل کرنے مین جد و جہد کر رہا تھا -

ایک روز حمام نہاتے وقت اسکا ذہن لڑ گیا اور عقدہ حل ہو گیا۔ پھر تو وہ یون کہتا سر بازار بھاگا چلا گیا "میں نے حل کر لیا میں نے حل کر لیا" ایسا سرور جو از خود رفتہ بنا دے علم ہی سے حاصل ہو سکتا ہے نہ کہ دنیوی ساماں سے۔

راحت علم میں ایک فضلیت یہ ہے کہ وہ جسمانی راحتوں سے زیادہ لطیف و دیرپا ہوتی ہے دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں اوروں کو شریک کر لینے سے کچھ گھاٹا نہیں آتا تیسری بزرگی یہ ہے کہ اسکی زیادتی مین کچھ اندیشہ خرابی کا نہیں جیسا کہ جسمانی راحتوں مین ہوتا ہے کہ جہاں حد سے بڑھیں آدمی کو لے ڈوبیں بلکہ یہاں اسکے برعکس ہے جتنی علمی راحت بڑھیگی اتنی ہی آدمیت کو ترقی ہوگی۔

نیکی

یہ تیسرا طریقہ راحت دائمی کے حصول کا ہے دوسروں کی نفع رسانی میں بلاغرض سعی کرنا نیکی کہلاتی ہے۔ ایسا کرنے سے ایک عجیب لطیف سرور دائمی حاصل ہوتا ہے۔ اکثر آدمی جو خود غرضی کی بلا میں مبتلا اور خود مطلبی کے زندان تنگ مین مقید ہیں وہ اس نعمت عظمیٰ کے ذائقہ سے بالکل محروم ہیں۔ مگر جو شخص اسکی لذت سے کچھ بھی آشنا ہو جاتا ہے وہ اپنا تن من دھن۔ اسپر نثار کر دیتا ہے اور تمام عمر جائے وقت بکر اس بے بدل راحت کا حظ اُٹھاتا ہے نیکی۔ رحم۔ ہمدردی۔ محبت سب ایک چشمے کے سوتے۔ ایک درخت کی شاخیں۔ یا یون سمجھو کہ چیز ایک اُسکی حالتین مختلف۔ اُن مختلف حالتوں کے یہ جُدا جُدا نام ہین۔ انسان نیکی کی بدولت فرشتہ بن جاتا اور یہ دنیا اُسکو بہشت کا سا سرور دیتی ہے

	ایسی معیشت کر لوگوں سے جیسی غلغلش میرے کی مدت گزری اُٹھ گئے اُسکو روتے ہیں ہمسائے ہنوز	

سرور روحانی

جب انسان کو نیکی کی بدولت صفائی قلب حاصل ہوتی ہے اور دل یکسو ہو کر استغراق میں پہونچتا ہے تو اس مین ایک عجیب لطیف سرور باطنی پیدا ہوتا ہے جسکو سرور روحانی کہتے ہیں علم کا مزہ عالم ہی جانتا ہے نیکی کی راحت نیک شخص ہی محسوس کرتا ہے اسی طرح روحانی سرور صرف وہی شخص معلوم کرتا ہے جو اہل حال ہے اہل قال اسکو نہیں سمجھ سکتا جنکو یہ سرور حاصل ہوتا ہے وے رشی منی اولیا کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں انھیں اولیا کا بیان ہے کہ راحت جسمانی و راحت دماغی اس سرور روحانی کے ادنی مراتب ہیں جنکو اس سرور کی جھلک بھی نصیب ہو جاتی ہے اُن کی نظر میں دنیا کی کل راحتین ہیچ ہو جاتی ہین اور اُسکے سب مزے ایسے پھیکے پڑ جاتے ہیں کہ پھر اُنکی طرف رغبت نہیں ہوتی ہے ؎

دیدار دلربا کا دیوار قہقہہ ہے		جس نے اودھر کو جھانکا پھر وہ ادھر کہاں ہے

میرے اس بیان سے یہ تو آپ بخوبی سمجھ گئے ہونگے کہ تین خواہشین انسان کی فطرت مین داخل ہین خواہش بقاے دوام خواہش علم کُل۔ خواہش سرور سرمدی۔ سنسکرت مین بقاے دوام کو ست کہتے ہین علم کُل کو چیت۔ سرور سرمدی کو آنند۔ ان تینوں لفظون کی ترکیب سے بنا لفظ سچدآنند۔ پس انسان ہمیشہ سچدآنند کا خواہشمند رہتا ہے مگر اُسکی یہ خواہش عموماً پوری نہیں ہوتی تو اب دو باتیں غور طلب ہین اوّل انسان کی فطرت مین سچدآنند کی خواہش کیون ہے ؟ دوم سچدآنند کی خواہش ہے تو اوسکو پاتا کیون نہین ہے یہ تو سنا ہوگا کل شیٔ یرجع الی اصلہ یعنی ہر ایک شئے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے نہ کہ دوسری طرف اچھا تو انسان ایک شے ہے اس لئے انسان ہمیشہ اپنی اصل کی طرف رجوع کریگا نہ کہ دوسری طرف مگر ہم دیکھتے ہین کہ انسان ہمیشہ سچدانند کی طرف رجوع کرتا ہے نہ کہ دوسری طرف پس

معلوم ہوا کہ سچدآنند ہی انسان کی اصل ہے اسلئے سچدآنند کی طلب اسکی فطرت مین ہے ؎

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش	باز جوید روزگار وصل خویش

اب رہی یہ بات کہ انسان کو باوجود تلاش سچدآنند حاصل کیون نہین اصل یہ ہے کہ وہ تلاش تو بیشک کرتا ہے مگر ان قیود کے اندر جن مین سچدآنند کا ظہور کامل نہیں ہے اگر یہ قیود دور ہو جائین تو ممکن ہے کہ انسان سچدآنند کو پائے۔ سچدآنند کی ترکیب تو تمنے سن ہی لی ست چیت اور آنند۔ سچدآنند کا پہلا حرف ست جو کل لفظ کے معنی دیتا ہے درش کے ساتھ ملایا۔ درش کے معنی ہین زیارت یا حصول۔ صرفی قاعدہ کے بموجب (ت) (د) سے بدل گئی تو سدرش ہوا یعنی سچدآنند کی زیارت یا حصول

سوامی جی یہ کہکر خاموش ہو گئے تو مین نے عرض کیا کہ آپ کی بزرگانہ عنایت کا کیا شکریہ ادا کرون۔ اس بیان شافی سے مجکو کمال راحت حاصل ہوئی اور نہ صرف راحت بلکہ میری بہت سی جہالت دور ہو گئی۔ مین خوب سمجھ گیا کہ انسان کی اصل سچدآنند ہے اسلئے وہ ہمیشہ سچدآنند کا متلاشی رہتا ہے۔ مگر اتنی بات اور رہ گئی کہ وہ قیود جنکی وجہ سے سچدآنند کا کامل ظہور نہین ہوتا کیا ہین اور کیونکر دور ہو سکتی ہین؟ فرمایا آپ تو یہ چاہتے ہیں کہ جو ہونا ہے اسی دم ہو جائے سو یہ ممکن نہیں مثلاً علم کل کی خواہش آپ کی فطرت مین ہے لیکن اس کا حصول دفعتہً نہین ہو سکتا بلکہ رفتہ رفتہ ہوتا ہے۔ ع

ہر مطلب میرسد جویای کام آہستہ آہستہ

خیر اس سوال کا جواب پھر کسی وقت دینگے۔ دوپہر ہونے آیا ذرا اشنان کرلین۔ یہ کہکر اُٹھ کھڑے ہوئے مین نے کہا حکم ہو تو مین بھی ہمراہ چلون اشنان میں آپ کو مدد دونگا فرمایا کچھ ضرورت نہین ہم تو تنہائی مین اشنان کیا کرتے ہین۔ یہ کہتے ہوئے چلدیے کوئی دو گھنٹے بعد واپس آئے

اور ٹھیکر چادر کی گرہ کھولی جھاڑیوں میں سے بیرجُن لائے تھے کچھ مجھے دیئے کچھ آپ کھائے کمنڈل
سے پانی پیا اور ایسے خوش معلوم ہوتے تھے کہ لذیذ کھانا کھا کر بھی کوئی اتنا خوش ہوتا۔ایک پتھر
کا تکیہ لگا کر لیٹ گئے اور کہنے لگے سنو میں اپنے ایک سفر کا حال بیان کرتا ہوں۔

فصل دوم

سوامی جی کا سفرنامہ

ایکبار چلتے پھرتے ایک بستی میں گزر ہوا جسکا نام دھرم پور تھا کچھ ایسا بڑا شہر تو نہ تھا مگر بہت ہی
گلزار تھا۔کوئی پچاس ہزار کے قریب آبادی ہوگی۔مکانات بیشتر پختہ۔ساہوکاروں کی کثرت
جنکی عالیشان عمارتوں سے دولت مندی ٹپک رہی تھی سڑکیں کشادہ کوچے صاف جابجا
پاکیزہ مندر اور مُصفّا مسجدیں بنی ہوئیں جنکو دیکھکر معلوم ہوتا تھا کہ باشندے یہاں کے دیندار
اور دھرماتما ہیں۔بازار بہت چوڑا چکلا۔دکانیں خوش قطع اور وسیع قیمتی اجناس سے بھری ہوئیں
محلے در محلے تعلیم کے لئے مدرسے جاری۔بستی سے باہر ایک شاندار عمدہ کالج تھا جس میں اعلیٰ درجہ
کی تعلیم ہوتی تھی سواد شہر باغات سے سرسبز ہو رہا تھا جس میں دھرم سالے بنے ہوئے اور سدا برت
لگے ہوئے تھے کہ سادھو فقرآئیں تو آرام پائیں اور بے فکری سے عبادت میں جی لگائیں شہر
کے ایک جانب ندی بہتی تھی پار جانے کو ایک مضبوط آہنی پُل تھا کنارے کنارے پختہ گھاٹ
بنے تھے اور جابجا پھلواریاں نئے نئے قسم کے بیل بوٹوں سے آراستہ۔کسی میں پاکیزہ مندر ہے
تو کسی میں مُصفّا مسجد ہے۔شہر کے اکثر زن و مرد صبح شام وہاں جاتے اور نہا دھو کر اپنے اپنے
طور پر پوجا پاٹ کرتے۔دریا پار خوبصورت پہاڑیاں تھیں بہت اونچی تو نہ تھیں مگر خوب
سرسبز و شاداب اپر چڑھنے کو کشادہ راہیں پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی تھیں چوٹیوں پر چھوٹے چھوٹے

میدان تھے جنمیں لوہے کی چوکیاں اور تپائیاں پڑی رہتی تھیں شہر کے نوجوان سیر و تفریح کے لئے اکثر شام کو وہاں جاتے ۔ چلتے پھرے یا تپائیوں پر بیٹھ شہر اور دریا کی سیر دیکھتے یا آپس مین بات چیت کرتے ۔ کبھی مذہبی فلسفی اور منطقی مباحثے چھڑ جاتے مگر نہایت تہذیب و شایستگی کے ساتھ ایک سے ایک تیوری مین بل نہ ڈالتا ۔ اس شہر کو دیکھکر میری طبیعت بہت خوش ہوئی ندی کنارے ایک باغ تھا باغ مین عالیشان مندر ۔ اور مندر کے متعلق دھرم شالہ تھی ۔ مین وہان جا اُترا معلوم ہوا کہ یہ عمارت سیٹھ بھولا ناتھ کی ہے ۔ نوکر چاکر جو مالک کی طرف سے تعینات تھے بہت نیک سیرت خلیق ۔ باادب مسافر نواز ۔ مجکو دیکھتے ہی حال پوچھا ۔ اور جھٹ پٹ کھانے کے اہتمام مین مشغول ہو گئے ۔ مین نے ذرا آرام کر کے اشنان کیا ۔ پھر کھانا کھایا ۔ سر شام لالہ صاحب بھی باغ مین تشریف لائے میری خبر سنکر پاس آ بیٹھے اور دیر تک باتین کر کے چلے گئے ۔ لوگون سے سنا کہ یہ اس بستی کے بڑے ساہوکارون مین سے ہین ۔ نہایت سچے ۔ نیکدل ۔ نیم دھرم کے سخت پابند اور بیوپار بھی ایمانداری کا ہے ۔ اسلئے لوگون میں ان کی بڑی عزت اور ساکھ ہے ۔ پھر تو لالہ صاحب کئی بار میرے پاس آئے گئے ۔ مجھسے بہت محبت کرنے لگے عرصہ تک مجھے ٹھہرلئے رکھا کہین جانے نہ دیا ۔ ایک دن جو آئے تو کہنے لگے سوامی جی آج ہمارے ٹھاکر جی کا بیاہ ہے ۔ اسی بستی کے ایک ساہوکار ہین اُنکی تلسی جی سے شادی قرار پائی ہے آپ بھی مہربانی کر کے تشریف لائین ۔ مین نے اُنکی خاطر سے منظور کر لیا شام کے آٹھ بجے ہو گئے کہ ایک لڑکے نے آکر سلام کیا ۔ کوئی سولہ برس کا سن و سال ۔ نام پوچھا تو روشن لال ۔ کہنے لگا لالہ جی نے آپ کی سواری کے لئے ہاتھی بھیجا ہے برات چڑھنے کا وقت قریب آگیا صرف آپ کا انتظار ہے ۔ میں اُسی طرح اُٹھ لڑکے کے ساتھ ہاتھی پر سوار ہو لیا ۔ وہان پہونچے تو بڑی دھوم دھام ہو رہی تھی ۔ اور ہاتھی ۔ گھوڑے ۔ رتھ ۔ بگھیاں وغیرہ سب ٹھاٹھ سامان مرتب اور تیار تھا ہمارا ہاتھی بھی

ہاتھیوں کی قطار میں مل گیا اور فوراً برات روانہ ہوگئی۔ روشنی کا ایسا عمدہ انتظام تھا کہ رات کو دن بنا دیا۔ باغ بہاری کی ٹٹیوں سے لالہ زار کھل گیا۔ باجے گاجے کی سُریلی صداؤں سے ہوا گونج اُٹھی۔ آتشبازی بھی نہایت نفیس تیار کرائی گئی تھی قدم قدم پر انار پھلجھڑیاں۔ مہتاب۔ پٹاخے چھوڑے جا رہے تھے میں نے روشن لال سے پوچھا "کیوں صاحبزادے اس برات کا سماں دیکھکر تمہارا دل خوش ہوا؟" اُسنے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر جواب دیا "نہیں مہاراج" میں نے کہا کیا وجہ؟ کہا سوامی جی ہم تو غریب آدمی ہیں۔ میرے والدین نے جانے کیا کیا سختیاں اُٹھا کر اور پاپڑ بیل کر مجھکو انٹرینس تک تعلیم دلائی ہے آج کل تعلیم کے اخراجات کچھ ایسے بڑھ گئے ہیں کہ غریب بیچارے تو کس گنتی میں ہیں اوسط درجہ والے بھی ہچکچاتے ہیں رہے امیر لوگ اول تو اپنے بچوں کی تعلیم چنداں ضروری نہیں سمجھتے اور جو سمجھتے بھی ہیں تو اُن کو خرچ کی کیا کمی اور اس سے کیا بحث کہ غریب بھائیوں پر کیا بیتا بیت رہی ہے اور اُنکے بچے کیسے مارے مارے پھرتے ہیں۔ عموماً ہمدردی اور مروّت تو اُنکے دلوں کو چھو نہیں گئی۔ لالہ جی نے ہزارہا روپیہ خرچ کر کے ٹھاکر جی کا بیاہ تو رچا لیکن مجھے جو زندہ ٹھاکر جی موجود بیٹھا ہوں اور کوئی غیر بھی نہیں رشتے میں اُنکا عزیز قریب ہوتا ہوں کبھی کچھ سلوک نہ کیا۔ میری جان کو تو یہ غم کھائے جاتا ہے کہ اگلی جماعت کی کتابیں کیونکر خرید دونگا اور ماہواری فیس کہاں سے لاؤں گا۔ چار ناچار آئندہ تعلیم سے ہاتھ اُٹھانا اور کالج سے نام کٹانا پڑیگا۔ ایسی حالت میں یہ گڑیوں کا سا کھیل آپ ہی انصاف کریں مجھکو کیونکر بھلا معلوم ہو؟" یہ کہکر اُسکا جی بھر آیا اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو ٹپکنے لگے۔ میں نے اُسکے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ بچہ گھبراؤ نہیں۔ خدا نے تم کو ایسی ہمت ایسا شوق اور ایسی سمجھ دی ہے تو وہ تمہاری مرضی کے موافق کوئی سامان بھی غیب سے کر دیگا جسکو تم نہیں جانتے ع خدا خود میر سامان ست اسباب توکّل را۔" اتنے میں برات سمدھی کے دروازہ

جاپہونچی ٹیٹون رہا تھ پڑگیا ایک ٹلش مچگئی اور لوگون کے شور وغل نے زمین سر پر اٹھالی یہ ہنگامہ فرو نہ ہوا تھا کہ آتشبازی مین آگ لگائی گئی چکرون کی جھنجھاڑ اور گولون کی دھوندھان سے کان بہرے ہوگئے ہاتھی گھوڑے بدکنے لگے وہ تو خیر ہوگئی ہمارا فیلبان بہت ہوشیار تھا نہین تو دو چار کا کچلا ہوگیا ہوتا۔غرض صدہا روپیہ دری سی دیر مین پھنک گیا۔اور دھوان تک نہ نکلا۔مگر لوگون نے واہ واہ بہت کی۔لالہ جی بھی خوش تھے کہ بڑا نام ہوا اور جیسا دل کھول کے خرچ کیا تھا پیگ لگا۔خوشامدی مصاحب بھی دل بڑھا رہے تھے کہ صاحب دولت اسی دن کے لئے ہوتی ہے کہ چار آدمی جلسہ دیکھین اور کیا کوئی گٹھریان باندھکے ساتھ تھوڑا ہی لے جاتا ہے بڑی بات یہ ہی ہے کہ جگت مین نام ہوا اور لوگ یاد کیا کرین خیر مین تو اسیوقت اجازت لیکر دھرم سالہ کو واپس آیا۔اگلے دن سنا کہ شادی کے سب کام خیر وخوبی سے انجام ہوئے۔اور بخوشی تمام دلھن کو لیکر گھر آئے۔

ایک روز شام کے وقت دریا کے گھاٹ پر مین اور لالہ جی بیٹھے باتین کر رہے تھے کہ روشن لال آیا اور ہم سے کچھ دور الگ بیٹھکر دریا کی سیر دیکھنے لگا۔مین نے سیٹھ جی سے کہا کہ "یہ لڑکا بہت مسکین۔سعادتمند۔ذکی وفہیم ہے۔آپ کا تو رشتہ دار ہے کچھ اسکے حال پر توجہ نہین کرتے" میرا یہ کہنا تھا کہ لگے سرد آہین بھرنے "کیا کہون سوامی جی ایشر نے مجھکو سب کچھ دیا ہے کسی شے کی کمی نہین مین بہت خوش ہون اور ہزار ہزار شکر اسکی درگاہ مین کرتا ہون مگر جب یہ خیال آتا ہے کہ آگے کو نہ کوئی نام لیوا ہے نہ پانی دیوا تو سر سے پاون تک سناٹا نکل جاتا ہے اور دل ہے کہ پانی کے بلبلہ کی طرح بیٹھا جاتا ہے ابتک تو آس تھی کہ شاید مہر کی نظر ہوجائے مگر عمر زیادہ ہوئی اور کوئی صورت نظر نہ آئی۔واقعی یہ لڑکا ہونہار ہے اور میرا رشتہ دار ہے۔اسکول مین پڑھتا ہے۔جی چاہتا ہے اسی کو گود لیلون شاید اسی سے میرا نام چلے

اور یہ دھن دولت ٹھکانے لگے بھلا اس بارہ مین آپ کی کیا رائے ہے" میں نے کہا "جو کچھ آپ نے سوچا ہے نہایت مناسب اور بجا ہے بے تامّل اِسکو متبنٰی کر لیجیئے اور خوب تعلیم دلائیے تاکہ اِسکا علم اور آپ کی دولت دونوں ملکر خلقِ خدا کو نفع پہونچائین اور آپ کے بعد بھی خیر جاری رہے" اب تو سیٹھ جی کا ارادہ مصمم ہو گیا۔ گھر پہونچتے ہی بیوی سے مشورہ لے دوسرے دن روشن لال کو باقاعدہ متبنٰی کر لیا۔ بہت دھوم دھام اور ناچ رنگ کے ساتھ تمام رسمیں ادا ہوئیں۔ کُل بستی کی دعوت کی گئی۔ غریبون محتاجون کو کھانا کپڑا بانٹا اور اپنے مقدور کے موافق دان پُن خوب کیا

اِسکے بعد ایک روز روشن لال کی تعلیم کے باب مین مجھسے مشورہ لیا مین نے کہا "دستور کالج کی تعلیم جاری رکھیے" کہنے لگے "اجی اِس تعلیم کا نتیجہ تو اکثر یہ ہی دیکھا کہ ناستک یعنی دہریے ہو جاتے ہین میرا دل تو اسے قبول نہیں کرتا" میں نے کہا "وجہ یہ ہے کہ ایک طرفی تعلیم ہوتی ہے۔ انگریزی علوم کیساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی ہو تو یہ نتیجہ ہرگز نہو"

(لالہ جی) اچھا محض سنسکرت ہی پڑھوائیں تو کیسی ؟

(میں) نری زباندانی سے اِنسان کے دماغی قویٰ کا پورا نشو و نما نہین ہوتا اِسلئے علوم کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔ سنسکرت کے علم تو جو جو بات رائل ہو چکے اور جو کچھ رہے دیکھے باقی بھی ہیں تو اُنکا جاننے والا کہان اور پڑھانیوالا کون، علوم طبعی و ریاضی تو انگریزی مین اچھے ہین اور فلسفہ سنسکرت کا لاجواب ہے دونون کی تعلیم ساتھون ساتھ ہو تو واہ واہ اس سے بہتر کیا! جو عمدہ تعلیم پاتے ہیں وہی سچی قسمیں سچے آستک (خدا پرست) ہوتے ہیں ع - کہ بے علم نتوان خدا را شناخت میری رائے مین اگر آپ اس لڑکے کو ہندو کالج بنارس بھیجدین تو بہتر ہے کیونکہ وہان علاوہ انگریزی و سنسکرت علوم کی تعلیم کے اخلاقی و مذہبی تعلیم بھی دیجاتی ہے اِسلئے اُسکے طلبا دہریے

ونیچر یے نہیں ہوتے ملکہ آستک دھرم کرم کے پورے پابند ہوتے ہیں یہ کالج چند شخصوں کی علو الہمتی سے چل رہا ہے۔ افسوس اُسکو پوری امداد نہیں پہونچتی ہے۔ ہندوستان میں داں پُن تو بہت ہوتا ہے مگر سو پاتروں کو نہیں پہونچتا جو صاحب اہل ہمت علم دوست ہیں وہ اپنی خیرات ہی یہاں بھیجدیا کریں تو اس کالج کی بھی مدد ہو جائے اُنکا داں بھی سپھل ہو جائے کیونکہ ودیا داں سب دانون سے بڑھکر ہے اور اُنکی اور اُنکے بھائیون کی اولاد بھی سُدھر جائے۔

سیٹھ صاحب نے یہ رائے بہت پسند کی مگر سیٹھانی نے لڑکے کو جُدا کرنا منظور نہ کیا لہذا یہ قرار پایا کہ دھرم پور کالج مین ہی تعلیم جاری رکھی جائے دو چار دن کے بعد میں بھی چلدیا اتنا قیام بھی اتفاقی تھا ۵

درویش روان رہے تو بہتر	آب دریا بہے تو بہتر

بعد کو معلوم ہوا کہ سیٹھ صاحب نے اپنی دریا دلی سے ایک رقم کثیر ہندو کالج کو گمنام بھیجدی۔

کئی سال کے بعد اُس بستی مین پھر گزر ہوا تو دیکھا کہ لالہ جی کا انتقال ہو گیا ہے روشن لال ایم اے پاس کر کے گھر کے کاروبار مین مشغول ہے۔ کل کارخانہ بدستور بلکہ پہلے سے بھی بہتر حالت میں ہے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ سیٹھانی روشن لال کے پلنگ پاس کھڑی یون کہہ رہی ہین۔

سیٹھانی۔ بیٹا روشن لال! اُٹھو۔ دیکھو کتنا دن چڑھ گیا۔ آج تو تم کو اپنے پتا جی کا شرادھ کرنا ہے۔

روشن لال (آنکھیں ملتے ہوئے) ماتا جی میں نے ذرا ذرا انتظام کل ہی کر دیا ہے آپ خاطر جمع رکھئے۔

سیٹھانی۔ اے بیٹا کیا انتظام کیا ہے کچھ مجھسے بھی تو کہو۔

روشن لال۔ ماتا جی شہر بھر کے جتنے ودوان پنڈت اور سنیاسی ہین کوئی پچاس ہو نگے

سب کا نمنترن (دعوت) کر دیا ہے اور محتاج جانے کے محتاجوں اور یتیم جانے کے بچوں کے لئے بھی کھانے اور کپڑے کا بندوبست کیا ہے بس دس بجے تک کل سامان تیار دیکھ لیجئے۔

سیٹھانی۔ خیر بیٹا تم جاؤ۔ تمہارے پتاجی کے سامنے تو شرادھ کے دن پورے ایک ہزار برہمنوں کا بھوجن ہوا کرتا تھا اُن کی ریت میں کسر پڑی تو بھلا ہمیں بھی لوگ کیا کہیں گے۔

روشن لال۔ ماتاجی لوگوں کے کہنے سُننے کا آپ کچھ خیال نہ کریں۔ یہ بوجھ بار تو میں اُٹھا لونگا اب رہی یہ بات کہ کرنا کیا چاہیئے سو مجھسے سوامی دیانند جی کہہ چکے ہیں کہ شردھا کے ساتھ ودّوانوں کا ستکار کرنا اور کھانا کھلا کر اُنکو ترپت کرنا۔ ویدوں میں شرادھ ترپن کہا ہے۔ اور عقل بھی اسی بات کو قبول کرتی ہے دنیا کے دکھاوے کو ایک بڑا جھگھٹ کرنا بالکل فضول ہے۔

سیٹھانی۔ لالاجی ویدوں میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ صبح سویرے سندھیا کرنی آدمی کا عین فرض ہے سو تم رات کے دس بجے تو اپنا گھر سے آتے ہو اور دن کے آٹھ بجے سو کر اُٹھتے ہو۔ میں وید نہیں پڑھی اسلئے کچھ کہہ نہیں سکتی کہ شرادھ ترپن کا کیا مطلب ہے پر اتنا جانتی ہوں کہ آدمی کو کچھ نہ کچھ لوگ بھی تو برتنا ہی پڑتا ہے۔

روشن لال (شرما کر) سندھیا کی بابت جو آپ نے فرمایا بہت ٹھیک ہے مگر وقت وقت کی تہذیب جُدا ہوتی ہے۔ یہ بھی تو خیال کرو جس زمانہ کی یہ تہذیب تھی اُس زمانہ میں کیسی آسانی سے گزران ہوتی تھی غلہ اور پھل پھلار کی بہتات۔ آبادی کم۔ آدمی کو معاش کی تلاش میں اتنا سر کھپانا کاہے کو پڑتا تھا جتنا آج کل۔ اسواسطے اگلے وقتوں کے لوگ بہت سا وقت اپنی ذاتی ترقی اور پوجن بھجن میں صرف کرتے تھے۔ ہمارے زمانہ کے رنگ ڈھنگ اور ہیں ایک پیٹ پالنے ہی کا دھندھا اتنا بڑا ہے کہ سر اُٹھانے کی فرصت نہیں ملتی۔ پھر ایسے جھگڑوں کے

ساتھ ہمدردی اور اپنے ملک کی بھلائی اپنے وطن کی خدمت۔ اپنے فرقہ کی خیرخواہی۔ یہ سب اس زمانہ کی ضروری باتین ہین۔ صرف اپنی ہنڈیا کی خیر منانے سے آج کل کام نہین چلتا حاکموں سے ملنا جلنا۔ اُنکے خیالات معلوم کرنا عام لوگون کی خواہش اُنکو بتانا۔ کمیٹیون مین شریک ہونا۔ جلسوں مین جانا کبھی قحط کا انتظام ہے۔ کبھی وبا کی روک تھام ہے۔ اگر اس زمانہ کے شریف رئیس ان کامون سے جی چرائین اور اپنی جان بچائیں تو اُنکی آبرو دو کوڑی کی ہوجائے اور بھلے مانسون میں اُنکی گنتی نہ رہے۔ سرکار دربار مین اُنکو کوئی کھڑا بھی نہونے دے اب ذرا میری حالت دیکھئے۔ صبح کے آٹھ بجے پلنگ سے اُٹھا۔ نو بجے تک ضروریات اور اشنان سے فارغ ہوکر ذراسی چائے پی اور کوٹھی کے کام مین گھوڑے کی طرح جت گیا۔ کبھی بارہ ۱۲ بجے کھانے کی فرصت ملی وہ بھی مشکل سے۔ ایک سے دو تک اخبار پڑھے جیسے معلوم ہوتا ہے کہ آجکل دنیا میں کیا ہو رہا ہے پھر ناول دیکھا جس سے قومون کے طور طریق انسان کی طبیعت کے نئے نئے انداز ظاہر ہوتے ہین۔ تین سے چار تک آنریری مجسٹریٹی کا کام کیا چار بجے کچھ ناشتہ کرکے یتیم خانہ اور محتاج خانہ کے ملاحظہ کو گیا۔ وہاں سے ٹون ہال آیا۔ کسی دن جلسہ ہے کسی دن لکچر بدقت تمام کوئی سات بجے اپنا گھر پہونچا اور جب ایک پیالی چائے کی اور دو سگرٹ آرام کرسی پر بیٹھکر پیے تو ذرا جان مین جان آئی۔ پھر اپنا کھیلنے لگا۔ یار دوستون کی ہنسی مذاق اور گپ شپ سے دل تازہ ہوا اور دن بھر کی کوفت مٹ گئی۔ رات دن کے چوبیس گھنٹون مین لے دیکے صرف تین گھنٹے تفریح کے ملے جو یہ بھی نہو تو بس انسان کی زندگی ہوچکی بھلا اس صورت مین صبح شام ۲ دو ۲ دو گھنٹے سندھیا کی فرصت حال کی تہذیب مین کیونکر ملسکتی ہے اس سے میری یہ غرض تو نہیں ہے کہ ہمارے اگلے بزرگون اور رشیون کی تہذیب ناقص تھی اور آج کل کی اچھی ہے مگر اتنا ضرور کہتا ہون کہ انسان کو زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنا چاہیے۔ یہ باتیں سکر ستھائی کو غصہ تو

بہت آیا مگر پی گیئں وہ رُسم نا تی ہوئی وہاں سے چلدیں اور شرادھ جیسا کہ روشن لال نے انتظام کیا تھا بہت اچھی طرح سے ہوگیا۔

شام کو روشن لال میرے پاس آئے اور ادھر اُدھر کی باتیں کر کے لگے کہنے سوامی جی آج ہمارے پتاجی کا شرادھ تھا اسوقت سے میری طبیعت بہت پریشان ہے کچھ سمجھ مین ہیں آتا کہ مرے پیچھے اِنسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ جہانتک عقل کام دیتی ہے یہ ہی سمجھ مین آتا ہے کہ اِن پانچ عناصر کے اجتماع سے ایکطرح کی چیتنیا پیدا ہو جاتی ہے جسکو روح کہتے ہین جب عناصر کی گرہ کھُل گئی وہ چیتنیا بھی جاتی رہی پھر ثواب عذاب کیسا میں نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ تمھارے نزدیک یہ پانچون عناصر جڑ ہین یا چیتن۔

روشن لال جناب! انگریزی سائنس یعنی علوم مادی کی رُو سے تو کُل مادہ جڑ ہے لیکن اُسکے اندر ایک قوت مخفی ہے جو طرح طرح کی تبدیلیان مادہ میں پیدا کرتی رہتی ہے اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے ورنہ جڑ مین تغیر تبدل کیونکر ہو

(مین) اس مخفی قوت کو تم چیتن کیون نہین مانتے؟

روشن لال اسواسطے کہ اگر وہ چیتن ہے تو کُل اشیا چیتن کیون نہین۔

(مین) جملہ اشیا اسی مخفی قوت کا مظہر ہین اور اُسکے ظہور کی تین صورتین ہیں (۱) جمادات و نباتات میں جو خواص جو آثار تم پاتے ہو یہ اُسی قوت کی چمک ہے (۲) اجسام حیوان و انسان میں جو چیتنیا تم دیکھتے ہو یہ اسی قوت کا ظہور ہے (۳) کاملیں میں وہی قوت مکاشفہ و سرور بنکر جلوہ گر ہوتی ہے

روشن لال۔ اچھا یہ مان بھی لیا کہ اس قوت کا ظہور مختلف صورتون میں مختلف طور پر ہوتا ہے تو اس سے مطلب کیا نکلا؟ بعد مردن جب آدمی کے اجزائے دماغ منتشر ہو گئے تو چیتنیا کہاں رہی؟

(میں) ہان تو آپ کا خیال یہ ہے کہ چیتنا کا ظہور محض دماغ پر منحصر ہے

روشن لال۔ بیشک جب دماغ زائل ہوگیا تو چیتنا کا ظہور پھر کس میں ہوگا۔

(میں) ممکن ہے کہ اِس جسم کثیف کے اندر کوئی اور جسم لطیف ہو جس مین انسان کی چیتنا بعد از مرگ بھی باقی رہتی ہو

روشن لال۔ سوامی جی قصور معاف ایسے ڈھکوسلون پر نہ تو عمل درآمد ہو سکتا ہے نہ اطمینان پُرانے زمانہ کے بھُولے بھالے آدمی اِسکو مان لیتے تھے۔ نئی روشنی والون کی تسلّی کے لیے یہ دقیانوسی خیالات کافی نہیں۔ ایک لڑکا کوئی بارہ برس کا ہوگا جپ چاپ بیٹھا ہماری باتین سُن رہا تھا۔ مین نے اُسپر مقناطیسی عمل شروع کیا تو پانچ ہی منٹ مین وہ سو گیا۔ اب روشن لال سے مین نے کہا کہ اِس لڑکے کا دماغ تو جون کا تون یہیں موجود ہے کسی اور جگہ کے حالات پوچھو۔ دیکھو بتاتا ہے یا نہین روشن لال نے چند باتین پوچھین اور جواب صحیح پائے تو بہت سٹ پٹائے اور بولے "اچھا سوامی جی اب رات زیادہ گئی۔ مجھے اجازت دیجیے۔ اِن باتون پر خوب غور کرکے کل پھر قدمبوسی حاصل کرون گا" دوسرے دن آئے تو کہنے لگے "سوامی جی مین نے بہت سوچ و فکر کیا آپ کے عمل سے یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ چیتنا کا وجود محض دماغ پر منحصر نہین بلکہ وہ دماغ سے علیحدہ بھی رہ سکتی ہے۔ اب مجھے یہ بتایئے کہ آپ کی رائے مین انسان کیا چیز ہے" مین نے کہا "اُسکے جاننے کے لئے ایک خاص تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے اگر مجمل طور پر مین کچھ بیان بھی کردون تو وہ تمھارے دل مین نہ جمیگا بلکہ اور بہت سے شکوک پیدا ہونگے جو تمکو سخت پریشان کر دینگے۔ اِسلئے بہتر ہے کہ تم کچھ پڑھو" کہا "کیا پڑھون" مین نے کہا "پہلے تو گیتا۔ برہمہ سوتر اور اُپنشد پڑھو بعد میں پُران کا مطالعہ کرنا" چنانچہ روشن لال نے ایک لائق پنڈت سے پڑھنا شروع کر دیا اور میں بھی چلدیا۔

تیسری بار جو میں اُس بستی میں پہونچا تو ایک دن سیٹھانی میری خبر پاکر آئیں اور کہنے لگیں "سوامی جی روشن لال کا حال تو بہت ابتر ہے کچھ ایسی مہربانی کیجیے کہ وہ پھر سیدھی راہ لگ جائے نہیں تو میں اُسکے غم میں گھل گھل کے مر جاؤں گی" میں نے کہا "خیر تو ہے، کیا ہوا، کیا کچھ بدراہ ہو گیا، یا تمھارا کہنا نہیں مانتا" بولیں "جی نہیں یہ بات کہاں اسے تو اپنا بھی ہوش نہیں۔ کھانا بہت کم کھاتا ہے بات کم کرتا ہے بہت پیچھے پڑی تو کچھ ہوں ہاں کر دی نہیں تو بالکل چپ سناٹے میں جیسے کسی کے دھیان میں ڈوبا ہوا ہے۔ ملنا جلنا آنا جانا سیر سپاٹا سب موقوف گھر میں سے باہر نکلنا بند۔ بس ایک جگہ تصویر بنا بیٹھا رہتا ہے جانے میرے بچے کو کیا ہو گیا"! یہ کہکر لگیں ہائے ہائے کرنے اور زار و قطار رونے۔ میں نے کہا "سیٹھانی جی گھبراؤ مت تمھارا بیٹا اچھا خاصہ ہے۔ شاستر کے سمجھنے سے اُسے کچا ویراگ ہو گیا ہے کچھ سندیہ کی بات نہیں جیسا تھا پھر ویسا ہی ہو جائیگا بلکہ اُس سے بہتر" پھر وہ آنسو پونچھ پانچھ کر گھر کو گئیں۔

دوسرے دن میں نے روشن لال کو بلا بھیجا اور پوچھا کہو بیٹا کیا حال ہے؟

(روشن لال) سوامی جی کیا عرض کروں مجکو دنیا کی کسی چیز میں مزہ نہیں آتا۔ ہر وقت ایک اُلجھن سی رہتی ہے۔ بس اب تو یہ جی چاہتا ہے کہ سنیاس لے لوں اور کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھکر عبادت الٰہی میں باقی عمر کے دن تیر کر دوں

(میں) بیٹا کیوں۔ کس مقصد کے لیے؟

(روشن لال) یہی مکتی کے لئے۔

(میں) تو عبادت کے کیا معنی سمجھتے ہو؟

(روشن لال) اور کیا معنی ہیں بس یہی کہ دل کو یکسو کر کے یادِ معبود میں مستغرق ہو جانا

(میں) مانا مگر دل کی یکسوئی کیونکر ہو؟

(روشن لال) خواہشات کے دور ہونے سے۔

(میں) بھلا خواہشات کیونکر دور ہوں ؟

(روشن لال) گوشہ نشینی سے۔ نہ وہاں دنیا کا بکھیڑا ہوگا نہ اسکے حصول کی خواہش پیدا ہوگی

(مین) سنو جی! اول تو کوئی ایسی جگہ نہین جہان دنیوی اشیا نہون ایک قسم کی ہونگی دوسری قسم کی ہونگی پھر جو تدبیر تمنے بیان کی وہ تو بعینہ ایسی ہے جیسی ایک حکیم نے کسی مریض کو بتائی تھی ایک مریض آیا حکیم جی کے پاس "حضرت کچھ علاج بتائے کھانا کھاتے ہی میرے پیٹ مین درد شروع ہوجاتا ہے" حکیم جی نے فرمایا "اسکا تو سہل علاج ہے بس کھانا نہ کھایا کرو" اول تو اشیا کے دور ہونے سے خواہش دور نہیں ہوتی جیسے طامع کے دل سے تنہائی مین بھی طمع دولت نہین جاتی۔ دوسری بات یہ کہ اشیا کو قطعی دور کردینا محال ہے اور نہین تو کھانے کپڑے ہی کی ضرورت ہوگی۔

(روشن لال) اسلئے تو بعضے سنیاسی ننگے پھرتے ہین

(مین) یوں تو کل جانور ننگے پھرتے ہین۔ کیا وہ سنیاسی ہوگئے اچھا ننگے بھی پھرے تو کھانے کی فکر کیونکر ہوگی ؟

(روشن لال) اکثر رحم دل آدمی سنیاسیوں کو کھلا ہی دیتے ہین۔

(میں) کیا خوب اور شخص تو نیر رحم کرین کھانا کھلائین اور جبکا کھانا تمھارے ذمہ ہے تم اُن پر بے رحمی کرو۔ اچھا یہ تو بتاؤ اگر سب کے سب تمھاری ہی طرح مکتی کی تلاش مین نکل پڑین کیونکہ اس میں سب کا برابر استحقاق ہے تو کیا نتیجہ ہو پھر کون کسکو کھانا دے

(روشن لال) سوامی جی پھر خواہشیں کیونکر دور ہون یہ ہی کمبخت یکسوئی مین خلل ڈالتی ہیں اور جب یکسوئی نہین تو عبادت کیا خاک ہو

(میں) مثا خواہشیں اشیا کی موجودگی سے پیدا نہیں ہوتیں جیسا کہ تمھارا خیال ہے بلکہ خودی سے
پیدا ہوتی ہیں جب تم نے اپنے آپ کو جسم سمجھ رکھا ہے تو راحت جسمانی ہی کو ڈھونڈ ھتے ہو اور
اُن اشیا پر جنسے راحت جسمانی پاتے ہو تھاری رال ٹپکتی ہے اگر اپنے آپ کو جسد نہ سمجھو تو کیوں جسم
کی سائیسی کرو اور جسمانی راحتوں کے لیے گھر یا جالی سے پھرو پس خودی کو دور کرو خواہشیں
خود نکل بھاگین گی تمھاری کوشش کی ضرورت بھی نہو گی اور تارک تو اصل میں وہی ہے
جو سامان عیش رکھتا ہو اور اسکو ہیچ سمجھے ؎

گر بدولت برسی مست نگردی مردی	
جسکو کچھ میسر ہی نہیں اُسنے چھوڑا تو کیا چھوڑا وہی مثل ہے ننگی نہائے تو کیا نچوڑے ۔ ع	
عصمت بی بی ست از بے چادری	

ایسا شخص تو جب دلفریب چیزوں کو دیکھ پاتا ہے اور بھی زیادہ للچاتا ہے اللہ جسکی خودی
دور ہو گئی اُسکو سب حالتیں یکساں ہیں۔ نہ کسی شے کی رغبت باقی رہتی ہے نہ کسی سے نفرت
پورانوں میں ایک جگہ لکھا ہے کہ سچا یوگی اور سچا عابد وہی ہے جو دنیا میں رہے اور اسکو ایک
سراب یا عالم خواب سمجھے یہی عبادت ہے۔

روایت ہے کہ ایک روز شام کے وقت مہاراج سری کرشن جی رادھا جی کے
ساتھ جمنا کنارے سیر کر رہے تھے کہ وید کے گانے کی صدائے دلکش کان میں آئی۔ رادھا
نے متعجب ہو کر کرشن جی سے پوچھا یہ آواز کہاں سے آتی ہے۔ فرمایا کہ قریب کے جنگل میں
ایک کُٹی ہے جسمیں ایک سیاسی مشغول عبادت ہے۔ رادھا نے کہا درحقیقت سیاسی جو
گھر بار چھوڑ چھاڑ کر جنگلوں میں رہکر عبادت کرتے ہیں بڑے بابرکت لوگ ہیں اور سب سے زیادہ
خدا کی عنایتوں کے مستحق ہیں اور یقیناً سب سے پہلے یہی اُنکو حاصل کریں گے۔ گھر میں رہکر

کتنا ہی بڑا پارساکیون ہومگر وہات دنیا سے نجات نہین پاسکتا اور تنہائی کی سی عبادت نہین کرسکتا۔ کرشن جی نے بے توجہی سے جواب دیا ہان شاید ایسا ہی ہو۔ لیکن رادھا کے دل مین توجنگل کی پاک زندگی کھب گئی تھی اسلئے اُس نے اِس مضمون کو ختم نہ کیا بلکہ پھر اُسی کا ذکر چھیڑا کہ سنیاسیون کی چھوٹی سی کُٹی اور گیروا لباس مین ایک طرح کی برکت ہوتی ہے۔ انسانون کی صحبت ترک کرنا جنگل کے درختون اور جانورون مین رہنا بس یہی اُنکی بزرگی کی کافی دلیل ہے۔ خدا کا دھیان جنگل کی تنہائی سے بہتر اور کہاں ہوسکتا ہے۔ یہ کہکر کرشن جی سے درخواست کی کہ چلو اِس درویش کی زیارت کرین۔ کہا اچھّا چلو۔

رہتی ہین ہم اُسی مین جس مین تری رضا ہو

لیکن مین اس عابد سے ایک ظرافت کرون گا اِس لئے مین ایک شکاری کا بھیس بدلتا ہون اور تم جیسی حسین شہزادی ہو۔ بس ویسی ہی بنی رہو۔ اِس طرح ہم دونون اُس سے رات بھر کے قیام کی اجازت چاہین گے جانورون سے بچنے کا بہانہ کافی ہوگا۔ پھر مین اُس سے ایک عجیب ماجرا اپنی نسبت بیاں کرون گا۔ ذرا اتنا خیال رکھنا کہ لعل لب پر ہنسی نہ آنے پائے۔ یہ کہکر کرشن جی نے ایک بڈھے کوزہ پشت تھکے ماندے شکاری کا روپ بدلا اور نوجوان شاہزادی کے ہاتھ کے سہارے چلنا شروع کیا۔ پھر تو رادھا بے اختیار مارے ہنسی کے لوٹی جاتی تھین خیر اس انداز سے چلتے چلتے اُس جگہ پہونچے جہان جنگل کے ایک گوشہ مین فقیر کی خوشنما کٹی تھی آس پاس کی سب چیزین صاف سُتھری آراستہ دکھائی دیتی تھین جس سے مالک کی طبیعت کا مذاق ظاہر ہوتا تھا کُٹی کے اندر چند مٹی کے برتن لکڑی کاٹنے کے اوزار۔ کاٹھ کی چوکیان۔ شیر کی کھال اور مرگ چھالا دباغت کی ہوئی نرم نرم۔ یہ چیزین موقع بموقع سجی ہوئی تھین۔ کُٹی کے باہر کچھ اونچے اونچے بڑ کُٹی سے ملے کچھ دور دور ادھر اُدھر لگے گیروے کپڑے شاخون پر لٹکے ہوگیا نہ وضع ظاہر کر رہے تھے

یہ دونون شام کے جھٹ پٹے میں جسکہ چاندنی جھلکنے لگی تھی وہان پہونچے -اِس مقام کا مالک ایک خوب صورت جوان تن برگیر داخوش رنگ لباس جسکی رنگت چاندنی مین جھلملا رہی تھی کُٹی کے باہر چوڑی پتھر کی چوکی پر پورب کو منھ کئے چار زانو بیٹھا تھا - روبرو آتے ہی یہ دونون مسافر اُسکے قدمون پر جھکے اُس نے دعائیں دیکر پوچھا - باباکون ہو اسوقت کہاں سے آنا ہوا و بڈھے نے جواب دیا یہ نازپروردہ شہزادی جو آپ کے سامنے کھڑی ہے ایک بادشاہ کی لڑکی ہے اِسکا باپ بڑے ساز و سامان سے شکار کھیلنے جنگل مین نکلا تھا اور سیر تماشا دکھانے اسکو بھی ساتھ لایا تھا آج صبح وحشی درندوں کے خوف سے سب تتر بتر ہو گئے ایسی بھاگڑ مچی کہ کسی کو کسی کی سُدھ نہ رہی - یہ بیچاری شامت کی ماری جنگل مین ادھر اُدھر بھٹکتی پھر رہی تھی کہ ایک شیر نے اسکا پیچھا کیا - اگر مین وہان موجود نہ ہوتا تو یہ ماہروشہزادی اُسکا لقمہ بن گئی ہوتی وہ تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مین نے دیکھ پایا اور جھٹ سے کمان مین چلہ چڑھا زہ پر تیر رکھ شست باندھکے جو مارا تو اُس موذی کے کلیجہ پر بیٹھا اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا میں اگلے زمانہ میں بھی بڑا تیر افگن قادر انداز مشہور تھا - غرض اُس شیر کو مار کر اِس غمزدہ کی مصیبت کا ماجرا میں نے اِسی کے مُنھ زبانی سُنا اور براہِ ترحم اپنے جی میں ٹھان لی کہ جس طرح بنے اسکو آرام تمام اسکے پدر بزرگوار کے پاس پہونچا دون - ہم دونون دن بھر ہر طرف سراغ لگاتے پھرے لیکن شکاریون کا کچھ پتا نہ چلا اور شاہی لشکر ہمکو کہیں نہ ملا جب تکان کے مارے عاجز ہو گئے تو یہ ارادہ کیا کہ کہین اس کی جگہ ٹھہر جائے تو جا ٹھہرین خوش قسمتی سے آپ جیسے مہاتما کی کُٹی نظر پڑ گئی امید ہے کہ آپ مہربانی فرماکر رات کی رات بسرام کرنے کی اجازت دینگے اور آپکے زیرِ سایہ ضرور جنگلی جانورون سے پناہ ملے گی - اِس مبارک کُٹی مین آپ کا زہد - آپ کی عبادت آپ کی پارسائی - ہماری اس وعافیت کے لئے کافی ضامن ہے اور یہ محض خدا کی عنایت ہے کہ درماندگی اور

پریشانی میں ایسی اچھی محفوظ آرام گاہ ہمکو پاگئی درویش نے یہ سرگذشت سُنکر شہزادی کی مصیبت پر بہت ہمدردی ظاہر کی اور خوشی سے ٹھہرنے کی اجازت دی۔ مہمان نوازی کی راہ سے جو کچھ میسر آیا ان دونون کے سامنے حاضر کیا۔ پھر بڈھے شکاری کی شجاعت مروّت اور رحم دلی کی تعریفین کرکے اُسکو تھوڑا سا شربت دیا کہ یہ نہایت مفرح ہے۔ مکّار شکاری نے متشکور ہوکر جھٹ پی لیا اور کوئی آدھے گھنٹے مین بیخبر سو گیا اور خرّاٹے لینے لگا شہزادی بھی سمٹ سمٹا کے کٹی کے ایک کونہ مین جا لیٹی۔ ابھی ایک گھنٹے کا عرصہ بھی نہ گزرا ہوگا کہ درویش دبے پاؤن شہزادی کے پاس آیا اور دھیمی دھیمی آواز سے اسکو جگایا۔ آنکھ کھولی تو سنیاسی کو دو زانو اپنے قریب بیٹھا پایا۔ پھر تو ایڑی سے چوٹی تک سنّاٹا نکل گیا اور غصّے کے مارے تن بدن مین آگ لگ گئی۔

شہزادی (حیرت زدہ ہوکر) ہین یہ کیا بات! میرے پاس آنے سے مطلب؟

سنیاسی (ہاتھ جوڑکر) شہزادی میری گستاخی معاف کر۔ میں نے ایسی دلفریب صورت اپنی زندگی مین کاہے کو دیکھی تھی تیری نظر کا جادو کس سے رُک سکتا ہے۔ جسکے ایسا بے بہا خزانہ سامنے ہو تو صبر محال ہے۔

شہزادی۔ ارے غضب! یہ تیری پرہیزگاری۔ یہ زاہدانہ لباس محض بناوٹ یہ عابدانہ صورت وویدخوانی نری دھوکے کی ٹٹی۔ تو جانتا بھی ہے کہ مین

درویش (بات کاٹ کر) شہزادی بس معاف کر یہ پرہیزگاری زہر کا گھونٹ ہے جسکی تیزی و تلخی مارے ڈالتی ہے۔ میں نے گھر کے تفکرات سے جان چراکر یہ گوشۂ تنہائی اختیار کیا تھا مگر یہان جو جو تکلیف ہوتی ہے بس میرا ہی جی جانتا ہے اے حسن وجمال کی متوالی اے نازونعمت کی پالی تو نہیں سمجھ سکتی کہ نفس کو قابو میں رکھنا کیسی کڑی منزل ہے یہ خدا کی مہربانی ہے کہ گھر بیٹھے

اِس تشنہ لب کے پاس آبِ زلال کا چشمہ ہو بچا دیا دیکھ تیرے رُخِ روشن کے آگے چاندنی بھی ماندہی اور وہ بے وقوف بڈھا کونے میں پڑا خراٹے لے رہا ہے ایسا نشیلا شربت میں سے پلایا ہے کہ تین دن تک بھی اسکو ہوش نہ آئیگا اے فرشتہ صفت خوبرو میرے حال زار پر رحم کریں تو ایک نظرِ عنایت کا طالب ہون

رادھا غضب ناک ہو کر بولی "او کم بخت بدذات" یہ لفظ ابھی ختم ہونے پائے تھے کہ متوالا بڈھا شکاری جو بظاہر سویا پڑا تھا ایک خونخوار اژدہا بنکر پھنکار یں مارتا اٹھا اور بدکار فقیر کیطرف اپنا پھن کرکے کھڑا ہو گیا اب تو فقیر کے اوسان خطا ہو گئے ۵

کاٹو تو لہو نہ تھا بدن مین

گرتا پڑتا لڑکھڑاتا بھاگا اور پیچھے پھر کے نہ دیکھا۔ کرشن جی اصلی صورت مین آ گئے۔ رادھا بولین تو مین بھی کیسی بھولی نادان ہون کہ ظاہری صورت سے دھوکا کھا گئی بیشک اِن ریاکاری کی باتوں سے نجات نہیں ہو تی ملکہ

یہ بات پوری نہ ہوئی تھی کہ کرشن جی چلائے "رادھا رادھا مجھے جلدی پکڑ۔ کوئی چیز نہیں معلوم کیا ہے کھینچے لئے جاتی ہے" رادھا نے گھبرا کر ہاتھ پکڑ لیا مگر کچھ عجب طرح کی زبردست کشش تھی کہ وہ تو وہ رادھا بھی اُنکے ساتھ کھنچنے لگین دونون اپنے آپ کو سنبھالتے اور زور لگاتے ہین مگر سب فضول۔ بے اختیار کھنچے چلے جاتے ہیں اور کچھ خبر نہین کہ کہاں کو اور کیوں؟ اِس مقناطیسی کشش نے رادھا کو ایسا اچنبھے مین ڈالا کہ لگین کرشن جی سے بار بار پوچھنے "آخر یہ عجیب کرشمہ ہے کیا؟ کچھ تو بتاؤ؟" وہ بولے "بتاؤں کیا؟ میں خود نہیں جانتا۔ مگر ہان ایسا خیال ہوتا ہے۔ شاید کوئی بھگت اپنے پریم کے جذب نہانی سے ہمکو اپنی طرف کھینچ رہا ہے" اور ظرافۃً یہ بھی کہدیا "دیکھو جی ایشر بنے مین کیسی تکلیف ہوتی ہے" انھیں باتون باتوں میں

ایک باغیچے کے اندر جا پہونچے۔ رادھا نے ادھر دیکھا اُدھر دیکھا نہ کوئی درویش پایا نہ کوئی عابد وزاہد نظر آیا تو انکو افسوس ہوا البتہ دیکھا تو یہ دیکھا کہ ایک مکلف پلنگ پر نرم گدگدا بچھونا بچھا ہے اور ایک جوان رعنا اسپر لیٹا آرام کر رہا ہے۔ ملح نوجوان عورتیں ہیں نیم تن برہنہ جو اُسکی خوشی خاطر کے لئے رقص وسرود میں مشغول ہیں۔ پھر تو رادھا سے نہ رہا گیا۔ کرشن جی سے طنزاً کہہ اُٹھیں " بس جی بس ! دیکھے آپ کے بھگت اکیا اسی شخص کے جذب محبت کا یہہ زور شور تھا" کرشن جی نے یوں ہی چلتا سا جواب دیدیا " ذرا ٹھہرو۔ دیکھو" غرض انکی آہٹ پاتے ہی وہ نیم تن برہنہ کنواریاں تو لجاتی شرماتی جھٹ پٹ ادھر اُدھر ہو گئیں اور وہ شکیل جوان اپنے بستر سے اُٹھ نہایت جوش جوش انکی طرف لپکا اور سر تسلیم جھکا کر یوں کہنے لگا۔

"میرے مالک میرے معبود! تو بڑا ہی برکت والا ہے۔ میرا انکا دل تیرے قیام کے لئے حاضر ہے تیرے پاک قدم میری خوشی کا باعث ہین آ اور میرے دل مین نزول فرما میں تیرے پاؤں اپنے آنسوؤں سے دھوؤنگا۔ تیری بزرگی بیحد و بے نہایت ہے۔ اُسے تو ہی خوب جان سکتا ہے میری ناتوان زبان چاہتی ہے کہ تیری صفت وثنا کرتے کرتے فنا ہو جائے اور میں تیرے جلال باکمال پر جی جان سے قربان ہو جاؤن۔ اگر تیری بزرگی کو بڑے گہرے سمندر سے مثال دون تو یہ بچون کا سا خیال ہے۔ سورج چاند اور ابر کے تارے اُس سمندر کے ادنےٰ بلبلے ہیں پانی اور آگ کے طوفان اُسکی ادنےٰ لہرین ہین۔ کیا آسمان کیا سمندر کیا پہاڑ جنکو ہم اپنی نادانی سے بہت بڑا سمجھ رہے ہیں وہ سب تیری بزرگی کے آگے ایک ناچیز قطرہ سے بھی کم ہیں۔ تیری بزرگیون کا بھید سمجھنے سے دیوتا بھی عاجز ہیں۔ میری کمزور آنکھیں تیری جیوتن اور مکھڑے کی جوت دیکھکر آسمان کے ستارون کے مانند کھلی کی کھلی رہجاتی ہیں اے مہاراج! جب تک مین تجھسا ہی ہو جاؤن تجھکو کیونکر جان سکتا ہون۔ وید کہتے ہین تو

سرب روپ ہے پھر بھی نرا کار ہے سراسر حرکت ہے پھر بھی غیر متحرک ہے بالکل نام ہے پھر بھی بے نام۔ تمام تر مکان و زمان ہے تاہم لامکان ولا زمان ہے تو بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا ہے۔ تو اب تو مجھے انسانی شکل میں نظر آتا ہے لیکن جب تیری اصلی شان کا تصور کرتا ہوں تو اُسے بڑے سے بڑا پاتا ہوں تمام ستارے سمندر دریا۔ پہاڑ۔ انسان حیوان تیری ایک انگلی کی صنعت ہیں جب تیری ذات پاک کو مشاہدہ کرتا ہوں تو یہ کل کائنات ہیچ در ہیچ معلوم ہوتی ہے صرف ابدی نور ابدی علم ابدی سرور باقی رہجاتا ہے اسے میرے معبود! ایسا کر تو مجھکو اپنا علم عطا فرما تاکہ میں تجھکو سمجھ سکوں اور تیری پرستش کر سکوں۔،،

یہ کلمات اُس جوان کے لبوں پر تھے کہ باطنی کشش نے سری کرشن جی مہاراج کو اُس سے بغلگیر کر دیا۔ اس موقع پر رادھا کو ایک لمعۂ نور نظر آیا جس میں کل ارض و سما اس طرح تیرنے لگے جیسے آفتاب کی شعاعیں ذرے۔ آخر کار اُس نور کے دریاے ناپید اکنار میں وہ دونوں صفحۂ ہستی سے غائب ہو گئے نہ سری کرشن جی باقی رہے نہ وہ جوان ؎

	چون فنائے عشق آمد آشکار		ہر دو گردد عاشق و معشوق گم

رادھا کو اس عجیب و غریب تجلی میں اُس لازوال نور کے سوا جسکے آگے مہر و ماہ کی روشنی بھی تاریکی سے زیادہ نہ تھی ایک عالمگیر بے صدا راگ سنائی دیا اور ایک بے حد سرور حاصل ہوا جس میں اُسکے تمام خیالات محو ہو گئے جب اس خواب نما نظارہ سے جاگی تو اپنے آپ کو اپنے محل کے اندر پیارے کرشن جی کے پہلو میں پایا ؎

	ما کہ خفتی در جہ پہلو خاستی		کہ چنین پرحوش چون دریاستی

رادھا بے اختیار بولی ہاں اے ساحروں کے ساحر! آپ نے عملاً جتا دیا بلکہ آنکھوں سے دکھا دیا کہ اصلی ترک کیا ہے۔ وہ جورو بچوں سے بظاہر الگ ہو بیٹھنا نہیں ہے۔ وہ بستی

اور مکان کو چھوڑ پہاڑوں کی گپھاؤں مین جا چھپنا نہین ہے۔ وہ عورتوں کے راگ رنگ سے بچکر پرندوں کے نغمات دلربا سننا نہیں ہے بلکہ اصلی ترک محض دل سے علاقہ رکھتا ہے نہ کہ جسم سے کیونکہ جسم تو جب تک قائم و برقرار ہے طبعی اشیا سے اسکو چھٹکارا ہو نہیں سکتا۔ پس جو عالم کہ قابل ترک ہے وہ بیرونی نہین بلکہ اندرونی ہے یعنی ہوا و ہوس سے دل کا متحرک ہونا یہی اصلی عالم ہے اور اسی کا ترک واجب ہے ھ

چیست دنیا از خدا غافل بودن ‖ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن
آب در کشتی ہلاک کشتی است ‖ آب چون در زیر کشتی پشتی است

تجکو دیکھا اور تمام علائق کو تیری مرضی پر چھوڑ دیا اُن مین ہو ما اور عین اُسی دم اُس مین نہونا تجکو پایا ہے۔ اور اس خوشی مین تمام نام و روپ کو بھول جانا بس یہی اصلی سنیاس ہے ھ

در راہ تو رو دار مدار خویش نہان ماندہ ‖ بے جسم و جسد گشتہ بے نام و نشان ماندہ

مدار سنیاسی نے دنیوی علائق کو جسم سے چھوڑا مگر دل سے پکڑا اسلئے آپ کو نہ پہچان سکا اور خوف کھاکر بھاگ نکلا عیش پسند جوان دل سے تارک و آزاد تھا۔ گو ظاہر اسامان عیش سے گھرا تھا مگر آپ کے پاس تھا یہی وجہ تھی کہ اپنی طرف آپ کو کھینچ لیا اور آپکے جلال مین محو ہوگیا۔ سنیاسی درحقیقت وہی ہے جس نے کل تعلقات کو دل سے مٹا دیا ہو میں رہا نہ میرا جسنے برہم مین پناہ لی اور جسکا عمل اور عقیدہ اس مسئلہ عظمے پر ہے کہ یہ تمام برہم ہے کثرت کوئی چیز نہیں۔ وہ خود برہم ہے اور وہ اسی دنیا کے اندر بلا تکلیف دائمی سمادھی (استغراق) میں رہتا ہے وہی تعظیم و تکریم کے لائق ہے۔ وہی اصلی یوگی حقیقی سنیاسی اور سچا برہم گیانی ہے ھ

طالب حق بے نشان چون حق شود ‖ قید را بگذارد و مطلق شود

روشن لال! ایک حالت تو تمھاری وہ تھی کہ دنیا سے ایسی چسپید گی کہ روح کا خیال تک ندارد بلکہ اُسکے وجود ہی سے انکار محض ایک حالت یہ ہے کہ دنیا اور مکروہات دنیا پر لات مارنے کو تیار بیٹھے ہو سو بیٹا! ہر فضیلت کے لئے دو رذیلتیں ہوتی ہین۔ ایک کمی کی طرف ایک زیادتی کی طرف مثلاً شجاعت ایک فضیلت ہے اُس مین کمی ہوجائے تو جبن ہے یعنی نامردی اُس مین زیادتی ہوجائے تو تہوّر ہے یعنی اندھا دھن مردانگی۔ اور یہ دونون رذیلتین ہین۔ کفایت شعاری بھی ایک فضیلت ہے اور کمی بیشی کے لحاظ سے اُسکے مقابل بخل اور اسراف دو رذیلتین ہین۔ اسی پر قیاس کرلو کہ ترک و تجرید بھی ایک فضیلت ہے اب اُسکے مقابل کی دو رذیلتیں کیا ہین ؟ یہی دنیا سے غایت درجہ کی چسپید گی یا محض قطع تعلق۔ پس عقل تو یہی پسند کریگی کہ رذائل سے بچو اور فضیلت کو اختیار کرو۔ اسی مین انسان کی صلاح و فلاح ہے ہان جی تمنے تو گیتا پڑھی ہے۔ یہ بات یاد ہوگی کہ جب ارجن نے سری کرشن جی سے پوچھا ہے کہ دل جو ہوا کی طرح متحرک ہے کیونکر یکسو ہوسکتا ہے ؟ تو مہاراج نے جواب دیا ہے "واقعی دل کی یہی حالت ہے۔ مگر وہ ویراگ اور ابھیاس سے قائم و مستقل ہوجاتا ہے" دل کی تین حالتین ہوتی ہین ایک تو طرح طرح کے خیالات سے بے چین رہنا اس حالت کا نام انتشار ہے۔ دوسرے ایک خیال میں مستغرق رہنا اسکا نام اطمینان ہے تیسرے غافل و بے خبر رہنا اسکا نام مدہوشی ہے ان مین صرف اطمینان فضیلت ہے باقی رذائل۔ اب پوچھو کہ ان رذائل سے بچنے کی سبیل کیا ؟ سو انتشار تو ویراگ سے دور ہوتا ہے۔ ویراگ کے معنی ہیں راگ یعنی تعلق کا دور ہوجانا اور تعلق کی دو صورتین ہین یا رغبت سے پیدا ہوتا ہے یا نفرت سے چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے	کچھ نہین ہے تو عداوت ہی سہی

مطلب یہ کہ عداوت بھی بغیر تعلق کے نہیں ہوتی پس دنیا سے نہ اتنی رغبت چاہئے کہ اسی کے ہو رہو۔ نہ اتنی نفرت کہ ہر دم اس سے بھاگتے پھرو۔ ہاں بیچ کی راہ اختیار کرو۔ بس یہی اصلی ویراگ ہے مگر دل کا بھی عجب حال ہے جہاں ترک کی باگیں کڑی پکڑیں اور رغبت و نفرت دونوں سے روکا تو دنیا کی طرف جانے کی کوئی وجہ نہ رہی۔ اس صورت میں انتشار تو رفع ہوا لیکن اسکے رفع ہوتے ہی دل مدہوشی و بیخبری کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جیسا انتشار سے روکنا ضروری تھا ایسا ہی مدہوشی سے روکنا بھی واجب ہے اُسکا علاج شغل ہے اور شغل کا طریق یہ ہے کہ دل ایک خیال مین مستغرق رہے مگر مدہوشی نہ آنے پائے ؎

پس برا شغولئے باشد درون	کہ نہ برداری از ان سوی برون
گر مراقب باشی و بیدار تو	ہر دمے بینی جزائے کار تو

یہی وجہ تو ہے کہ شام سویرے دو دو گھنٹے سندھیا کرنی ویدوں مین انسان کا فرض قرار دیا ہے یہی مضمون شاستروں مین اس طور پر بیان ہوا ہے۔ آدمی جب عبادت میں مصروف ہونا چاہے تو پہلے رجوگن اور تموگن کو دور کرکے ستوگن میں دل کو قائم کرے کیونکہ جب تک ان دو نقصوں سے پاک صاف نہ ہولے دل لائق عبادت نہین ہوتا۔

ہاں تو روشن لال انم اپنی موجودہ حالت ہی مین رہکر ترک اور شغل کے ذریعے سے یکسوئی حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اپنے آپکو سنیاسی سمجھو اور سچ پوچھو تو اصلی سنیاس یہی ہے ؎

گر ہزاران دام باشد ہر قدم	چون تو با مائی نباشد ہیچ غم

بیٹا ذرا غور تو کرو۔ یہ بڑھیا ماں۔ یہ جوان بیوی یہ ننھے ننھے بچے جن کی کل امیدین تمھارے دم قدم سے وابستہ ہیں۔ اگر تم نے ایسا سنیاس لیا جیسا کہ تم سمجھے بیٹھے ہو تو ان بیچاروں پر کیا بیتا بیتے گی اچھا فرض کرو کہ تم نے ان چند جانوں کو مصیبت کے بھاڑ میں

جھونک کر اپنے لئے نجات حاصل کر ہی لی (جو محال عقل ہے کیونکہ اُس ذات پاک کا قرب جو ارحم الراحمین ہے بیرحمی سے حاصل ہونا معلوم۔ اور خود غرضی کی راہ سے مُکتی کی منزل کو پہنچنا خیر صَلّا) تو ہمارے نزدیک ملکہ دنیا جہاں کے نزدیک ایسی نجات سے گرفتاری مد رجہا اولے ہے

جائے ہے جی نجات کے غم میں	ایسی جنّت گئی جہنم میں	

حکایت۔ مہاراج یدھشٹر جب سرگ لوک (بہشت) کو جانے لگے تو دھرم رائے امتحاناً کُتّے کی صورت پکڑ اُنکے ساتھ ساتھ ہو لئے۔ چلتے چلتے جب ایک خاص مقام پر پہونچے تو بمان (ہوائی مرکب) انکی سواری کے لئے نازل ہوا اور کہا گیا کہ اسپر سوار ہو کر سرگ کو تشریف لے چلیئے۔ تو وہ اپنے رفیق سوریعنی کتے سمیت چلنے کو تیار ہوئے اُسوقت حکم ہوا کہ کتّا سرگ میں داخل نہین ہوسکتا۔ تو یدھشٹر نے اپنے جانے سے بھی صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہمت وحمیت گوارا نہین کرتی اور نہ دھرم اجازت دیتا ہے کہ جسے اپنا آسرا لیا ہو اُسکو اُدھر مین چھوڑ جائیں اور اپنی خواہش پوری کریں۔

حکایت۔ مہاراج بدھ دیوجی کی تپشّیا (ریاضت) جب پوری ہوچکی اور نِرواں (نجات) مین جانے کا وقت آگیا تو خیال آیا کہ جب کل ہی نوع انسان تکلیف میں مبتلا ہین تو اکیلا مین نروان مین جاکر کیا خوش ہونگا اِس خیال کے آتے ہی جانے سے انکار کیا اور کہا کہ جو ہو سو ہو مین اسی عالم میں سب کے شریک حال رہکر سب کے نروان کے لئے کوشش کرونگا۔

سنو جی! کل ستھالی زار زار روتی میرے پاس آئی اور کہنے لگی ہائے میرے بچہ کو کیا ہوگیا! سوامی جی کچھ ایسی دیا کرو کہ وہ بھلا چنگا ہو جائے ہین تو یہ غم مجھکو کھا جائیگا اُس بیچاری کو

بے غرضانہ محبت مادری نے کیسا بیتاب کر رکھا ہے کہ تم پر جان دیتی ہے حالانکہ تم اپنی خود غرضی سے اُسپر ایک مصیبت ڈھانے کو آمادہ بیٹھے ہو ع ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہمنے تمکو دل دیا تمنے ہمین رسوا کیا		ہمنے تمسے کیا کیا اور تمنے ہمسے کیا کیا		

روشن لال! کیا تمھارے دل مین رحم و محبت کا اُنس نہیں رہا۔ اسا کہنا تھا کہ روشن لال کا جی بھر آیا اور بے اختیار رو پڑا جب دل کی بھڑاس نکل چکی تو آنسو پونچھ پانچھکر بولا سوامی جی! مین سخت غلطی پر تھا آپ نے سچ فرمایا کہ بے رحمی اور خود غرضی سے مُکتی ہرگز ہرگز حاصل نہین ہوسکتی اور بفرض محال ہو بھی تو ان شرائط پر ہمت عالی کب پذیرا کرسکتی ہے۔ بس اب تو مین نے یہ بات گرہ باندھ لی اور خوب جی مین ٹھان لی کہ آیندہ آپ کی ہدایتوں پر عمل کرونگا چنانچہ اگلے دن سے بدستور سابق اپنے کاروبار کے دیکھ بھال مین مصروف ہو چلا سندھیا پوجن کا پابند ہو گیا اور اپنے بال بچوں مین خوش و خرم رہنے لگا۔ اس بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سچی اور خالص محبت جو بے غرض و مطلب کے لئے ہو عین عبادت ہے

یہی ہے عبادت یہی دین و ایمان		کہ دنیا مین کام آئے انساں کے انساں		

فصل سوم

قیود مکان و زمان

جب تیسرا پہر ہونے آیا تو سوامی جی نے فرمایا "چلو جی منزل طے کرین جتنا رستہ کٹے سو بہتر جو قدم اُٹھے سو غنیمت" مین وراً کمر باندھ کے ساتھ ہو لیا۔ کوئی چار پانچ کوس چلے ہونگے کہ شام ہو گئی۔ سر راہ ایک درخت کے نیچے جا ٹھہرے وہین رات بسر کی صبح سویرے سویرے پھر چل پڑے جب پہر سوا پہر دن چڑھ گیا تو ایک پیڑ کے سایہ مین دم لیا

اور ندی کنارے اشنان کرکے جھاڑی جھنڈیوں میں سے کچھ پھل توڑ تاڑ کر کھائے جلو بھر پانی پیا شکم سیر ہو گیا۔ اب بچنت ہو کر سوامی جی ایک طرف لیٹ گئے اور بولے لو آج تمھارے اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ وہ قیود کیا ہین اور کیونکر دور ہو سکتی ہین ؟ تم دیکھتے ہو کہ آگ کے شعلہ مین روشنی اور حرارت دونوں ساتھ ساتھ موجود ہیں بلکہ دونون ایک ذات ہو کر شعلہ کی صورت مین نمودار ہوتی ہین اسی طرح ست چیت اور آنند۔ تینوں ساتھ رہتے اور کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے ہیں البتہ اُنکا ظہور جس ظرف میں ہوتا ہے اُس ظرف کی حیثیت سے جداگانہ رنگ ڈھنگ کا ہوتا ہے۔ مثلاً تم ایک پتھر شعلہ کے مقابل رکھدو تو اُس میں صرف گرمی محسوس ہوگی روشنی ظاہر ہوگی کیونکہ وہ شفاف نہیں ہے۔ اگر پتھر کے بجائے شیشہ ہو تو اُس مین روشنی اور گرمی دونون کا ظہور برابر ہوگا بس اسی پر قیاس کرلو کہ جمادات اور نباتات میں محض ست کا ظہور ہوتا ہے کیونکہ اُن مین صرف اُسی کے ظہور کی صلاحیت ہے۔ ادنے درجہ کے جانورون میں ست کے ساتھ کچھ چیت کی جھلک بھی پڑتی ہے۔ اعلےٰ درجہ کے حیوانون اور عام انسانون میں ست۔ چیت۔ آنند۔ تینون کا جلوہ نظر آتا ہے مگر محدود و ناقص البتہ خاص انسان ہین جنکو کاملین کہتے ہین وہ سچدانند کے مظہر کامل ہیں۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

کہ بچشمان دل مبین جز دوست	ہرچہ بینی بدانکہ مظہر اوست

الغرض سچدانند کا ظہور ظرف یعنی مظہر کی صفائی پر موقوف ہے۔ اب تم ایک کل کا تصور کرلو جو نہایت صنعت کیساتھ بنائی گئی ہے اس مین کاریگر نے چند شیشے اوپر تلے ایسے تعبیہ کئے ہین کہ پہلا تو نہایت صاف شفاف ہے۔ دوسرا کچھ مدّھم۔ تیسرا اُس سے بھی ملگجا یہاں تک کہ سب سے پچھلا نہایت دھندلا ہے اور یہ کل اِس انداز سے رکھی ہے کہ پہلا شیشہ

ٹھیک آفتاب کے مقابل ہے جہپر براہ راست روشنی وحرارت پہونچتی ہے۔ اُس مین سے گزرکر دوسرے شیشہ مین پڑتی ہے پھر دوسرے سے تیسرے مین اسی طرح بتدریج آخری شیشہ تک نمودار ہوتی ہے۔ اب تم آخری شیشہ کو دیکھو تو روشنی دھندلی حرارت بھی دھیمی پاؤگے اُس سے اوپر والے کو دیکھو تو روشنی ذرا چٹکیلی حرارت بھی ذرا تیز ملیگی۔ اسی طرح درجہ بدرجہ ہر شیشہ میں روشنی وحرارت کا ظہور زیادہ پاؤگے حتے کہ اُس صاف شفاف شیشہ مین جو آفتاب کے زیر نظر ہے روشنی وگرمی کا ظہور بھی کامل تر ہے کہ آنکھین تاب نہ لاسکین دیکھین تو چکاچوند ہو جائے۔ اب فرض کرو کہ ایک بہت بڑا کارخانہ ہے جس مین ایسی ایسی کلین ہزارون لاکھون کیا بلکہ بے شمار لگی ہین پھر ہر ایک کل کے شیشے صفائی وکدورت کے لحاظ سے دوسری کل کے شیشون سے مختلف ہین۔ اسی لئے ہر ایک کل کے ہر شیشے مین روشنی وحرارت کا ظہور بھی مختلف طور پر ہو رہا ہے۔ کہین کسی درجہ کا کہین کسی درجہ کا ہر جگہ نیا رنگ نئی آن نیا جلوہ نئی شان۔

اچھا! اب ان کلون کو تو ذہن سے نکال باہر کرو اور جو اصل مقصد ہے اُسی کو سمجھو۔ ان کلون سے مراد ہے حضرت انسان اور شیشے کیا ہین اجسام انسانی اور آفتاب وہی سچدانند جو سب مین جلوہ گر ہے۔ دور کیون جاؤ اپنے ہی مین غور کیون نکرو کہ یہ جو سب سے آخری پردہ ہے یعنی جسم خاکی اس مین سچدآنند کا ظہور کیسا تاریک حالت مین ہے زندگی ہے تو چند روزہ۔ علم ہے تو محدود سرور ہے تو ناپائدار پھر بھی مسلم ہے کہ نسل انسانی ایک سانچہ مین انٹیون کی طرح نہین ڈھالی گئی بلکہ اُسکے بیرونی پردہ کی ساخت صفائی اور قوے کی طاقت وتوانائی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اِس لئے سچدانند کا ظہور بھی نوع بشری مین رنگا رنگ نظر آتا ہے کسی کو عمر طویل نصیب ہوتی ہے کوئی علم

و فضل میں برتر ہے۔ کوئی مسرت و خوشدلی میں اعلیٰ ہے۔ بہرحال ہم دیکھتے ہیں کہ ہم بذریعہ جسم کثیف کے مکان و زمان کے زندان تنگ مین مقید ہیں اور یہ قیود حصول علم کے سخت مانع ہیں۔ ہم نہین دیکھ سکتے کہ اس دیوار کے پرے کیا ہو رہا ہے۔ ہم کچھ نہین جانتے اب سے پانچ منٹ بعد کیا ہونے والا ہے۔ ہاں اگر ان قیود کا حجاب درمیان سے اٹھ جائے اور دور و نزدیک ماضی و مستقبل ایک ہوجائے تو بیشک علم کل بھی حاصل ہوجائے۔ دور و نزدیک کے واقعات اگلے پچھلے حادثات ملکہ کوئی راز قدرت ہمپر پوشیدہ نہ رہے اور علم کل کے لئے ہستی لازوال و سرور دائمی لازم ٹھہرا تو کچھ شبہہ نہین کہ علم کل حاصل ہو تو ہم سیدانند ہوجائیں درحصل یہی قیود ہین جو ہمارے سیدانند ہوجانے کی سدراہ بن رہی ہین۔ یہ مانا کہ ریل و تار کی ایجاد سے طول مکان و زمان مین کمی ہوگئی۔ مگر یہ کمی بھی کچھ کمی ہے آخر ریل مین سو میل قطع کرنے کو کم از کم ایک گھنٹہ تو چاہئیے اور اسپر بھی بیرونی اشیا کے محتاج اگر یہ قید بالکل اٹھ جائے تو چشم زدن کی دیر بھی نہ لگے۔

ہان تو یہ مکان و زمان کی قیدین جسقدر اس بیرونی پردہ مین ہین نسبتۂ دوسرے پردہ مین بہت کم ہین۔ اس دوسرے پردہ کا نام ہے سُپن یعنی عالم خواب۔ دیکھو اس عالم کے اندر ہم کتنے تھوڑے عرصہ مین بہت سے مقامات اور بہت سارے واقعات دیکھ لیتے ہین جنکے دیکھنے کو جسم کثیف مین ایک بڑی مدّت درکار ہوتی اسپر بعض صاحب یہ اعتراض کر سکتے ہین کہ خواب تو ایک خیالی سوانگ ہے آنکھ کھلی اور نظرون سے غائب۔ نہ کہین آئے نہ کہین گئے۔ اسوقت کے محسوسات عالم بیداری مین کچھ وجود نہین رکھتے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جیسے خواب کی باتین بیداری مین لاشے معلوم ہوتی ہین ایسے ہی بیداری کا ہنگامہ خواب مین بھولا بسرا ہو جاتا ہے تو ان دونون حالتون مین سے کسکے محسوسات کو صحیح

ماہین کسکو غلط۔ کسکو اصلی سمجھین کسکو عارضی۔ شاید یہ کہو گے کہ حالت یعنی بیداری کی محسوسات پائدار و مستقل ہیں۔ ہم اُنکو اپنے حواس سے معلوم کرتے ہیں اسلئے اُنکے وجود مین شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ یہ بات مانی۔ لیکن خواب میں بھی تو حواس ہی کام کرتے ہیں اسلئے اُسوقت کے معلومات و محسوسات بھی مشکوک و مشتبہ نہیں ہوتے رہی یہ بات کہ خواب کے محسوسات بیداری کی طرح دیرپا نہیں۔ بیشک نہین۔ اور نہ اُنکو دیرپا ہونا چاہئے کیونکہ جو معاملات اس عالم ظاہر کے اندر برسون میں طے ہوتے ہیں وہاں لحوں میں گزر جاتے ہیں اور یہ مکان و زمان کی قیود کم ہوجانے کا نتیجہ ہے بس یہی فرق ہے خواب و بیداری میں ہاں ایک فرق اور بھی ہے کہ خواب مین بیداری کا سا احتیار حواس و محسوسات پر ہمکو نہیں ہوتا اس کا سبب یہ ہے کہ ہمیں اُس عالم سے ایسی مناسبت پیدا نہیں کی ہے جیسی کہ عالم بیداری سے

خواب کئی قسم کے ہوتے ہین ایک تو خواب پریشان جن مین بہت سے معاملات بے ترتیب نظر آتے ہیں۔ یہ عوام الناس کے خواب ہوتے ہیں دوسری قسم کے خواب وہ ہین جن میں آئندہ یا گزشتہ معاملات خواہ کسی جگہ کے ہوں ہُوبہُو معلوم ہوجاتے ہیں چنانچہ بعض صاحبوں کو تجربہ ہوا ہوگا کہ جو خواب میں دیکھا تھا وہی وقوع میں آیا۔ ایسے خواب نیک اور سچے لوگوں کو بیشتر نظر آتے ہین تیسری قسم کے وہ خواب ہین جن مین بزرگوں اور کاملون کی زیارت اور اون سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ ایسے خواب اعلیٰ درجہ کے ملکوتی صفات انسانون کو ہوا کرتے ہیں

الغرض عالم ملکوت اِس عالم ناسوت کا ایک لطیف مثنیٰ یا نقشہ ہے اسی لئے اُسکو عالم مثال بھی کہتے ہیں جو واقعات دنیا میں ہونے والے ہیں وہ ملکوت میں پہلے سے ہوچکتے ہیں۔ اسلئے بعض واقعات عالم ناسوت میں واقع ہونے سے بیشتر خواب میں معلوم ہوجاتے ہیں ورنہ جو امر ظہور ہی میں نہ آیا ہو اُسکا علم کیسا؟ یہ بھی یاد رکھو کہ روحانی ترقی

پہلے خواب ہی سے شروع ہوتی ہے یعنی نیک اور سچے آدمیوں کو رویائے صادقہ یعنی سچے خواب نظر آنے لگتے ہیں خواب سے اِنسان اپنے دل کی صفائی یا کدورت کا اندازہ کرسکتا ہے کیونکہ خواب صفائی دل کا آئینہ ہے اور حصول سچدآنند کا دروازہ۔

تیسرا اندرونی پردہ وہ ہے جسکو سشپتی (خواب غفلت) کہتے ہین جب ہم خواب غفلت سے چونکتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑے آرام سے سوئے۔ اِس پردہ مین ہمنے آرام ضرور محسوس کیا ہے کہ جاگنے پر اُسکی یاد آئی ورنہ جو چیز ہمنے محسوس ہی نہ کی ہو اُسکو یاد کیونکر کرسکتے ہین۔ کیسا ہی دُکھ درد ہو کیسی ہی بیتابی بے چینی ہو۔ اِس پردہ میں پہونچتے ہی راحت و سکون سے بدل جاتی ہے چونکہ سرور کا ظہور بغیر علم کے اور علم کا ظہور بدوں ہستی کے ممکن نہین اِسلئے سچدآنند کا ظہور اِس پردہ مین یقینی ہے مگر ہم اِس پردہ سے قطعی ناواقف ہیں لہذا جاگنے کے بعد ہمکو وہاں کے علم کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ اگر وہاں علم ہوتا تو حالات سابقہ کا سلسلہ حالات مابعد سے ٹوٹ جاتا یعنی خواب سے پیشتر کے حالات بالکل یاد نہ رہتے۔ علم مقناطیس کے ذریعہ سے کچھ کچھ حالات اس پردہ کے معلوم ہوئے ہیں معمول جب اس حالت مین لایا جاتا ہے تو فوراً وہان کے صحیح حالات بیان کرنے لگتا ہے اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہان مکان و زمان کی قیود نہایت کم ہو جاتی ہیں اور چونکہ وہ پردہ نہایت لطیف ہے اِسلئے وہاں کا علم بھی بہت صحیح ہوتا ہے اور چونکہ سچدآنند کا ظہور اور پردوں کی نسبت اِس مین بدرجہا زیادہ ہے اِسلئے اِسقدر سرور حاصل ہوتا ہے کہ معمول بسا اوقات وہان سے واپس آنا نہین چاہتا۔ لیکن ایسے معمول کمتر دستیاب ہوتے ہیں جو عالم جبروت تک پہونچ سکیں بیشتر ایسے ہی ملتے ہیں جن کی رسائی صرف ملکوت تک ہوتی ہے اور وہین کے حالات بیان کرسکتے ہیں

یوں تو ہم روزمرہ ان تینوں حالتوں یا پردوں میں گزرتے ہیں۔ مگر ہمنے بیرونی پردہ سے ایسا قوی ارتباط پیدا کرلیا ہے کہ بس اسی کے قوانین سے واقف ہیں باقی دو پردوں سے نہایت کم کیونکہ اُن میں جو ہم پہونچتے ہیں تو بے اختیار پہونچتے ہیں البتہ انکی طرف ہماری توجہ پوری پوری ہو تو پھر انکے قوانین سے بھی ایسا ہی وقوف اور ایسا ہی فائدہ حاصل کرسکتے ہیں جیسا کہ عالم ناسوت کے قوانین سے چنانچہ جنگلی وحشی آدمی جنکو اس دنیا کے قوانین سے کم واقفیت ہے اُنکو اس عالم کے اشیا پر بہت کم اختیار و قابو حاصل ہے حالانکہ علوم مادّی کے جاننے والے انھیں اشیا سے صدہا قسم کے کام لیتے اور فائدے اُٹھاتے ہیں۔ ریل تار وغیرہ صنعتین صرف واقفیت ہی کی بدولت جاری ہیں۔ پس اُن پردوں میں ناواقفیت نے ہمکو بھی وحشیونکی طرح بے اختیار و بے بس کر رکھا ہے اگر بیرونی پردہ کے مانند اُن پردوں پر ہمکو قدرت حاصل ہو جائے اور بااختیار خود اُن میں جاسکیں تو انکے قوانین سے بہت فائدے اُٹھا سکتے ہیں اور ہمارے علم و سرور کو بہت ترقی و وسعت ہو سکتی ہے

جب انسان تیسرے پردہ سے گزر کر چوتھے پردہ ثریا یعنی عالم لاہوت میں پہونچتا ہے اُسکا علم و سرور تحریر و تقریر میں نہیں آسکتا۔ ایسے شخص کو جیون مکت کہتے ہیں فقرا میں جو کشف و کرامت دیکھی جاتی ہے وہ قانون قدرت کے خلاف نہیں ہے بلکہ اُن قوانین کے مطابق ہے جنسے ہم ناواقف ہیں۔ کشف کے معنی ہیں کھلنا۔ پس فقرا کو وہ پردے کھل جاتے ہیں۔ جو ہمکو سدِ راستا ہیں۔

انسان کے ہر پردہ میں دو جز ہوتے ہیں ایک جز تو جسم ہوتا ہے دوسرا جز اُس جسم میں سچدانند کا ظہور۔ اور اسی ظہور کا نام روح ہے۔ اجسام کی اصلیت پانچ عناصر یعنی خاک باد آب آتش اور خلا ہے اسلئے کل اجسام ان پانچ عناصر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور

روح کی اصلیت سچدآنند ہے پس روح ہمیشہ سچدآنند کی جانب رجوع کرتی ہے ؎

تن بعشق خارِ بن چون ناقۂ در زدہ تن در زمین چنگالہا		جان بہ ہجر عرش اندر فاقۂ جان کشاید سوے بالا بالہا	

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سچدآنند کے حصول کی قابلیت صرف روح مین ہے ۔ نہ جسم مین کیونکہ جسم کی اصلیت اور ہے ۔ پس روح ہی انسان کا اصلی جز ہے یا یون کہو کہ درحقیقت روح ہی انسان ہے اور جسم اُسکے لیے بطور غلاف ہے ۔ اور بوجہ قیود مکان و زمان صرف ان پردون مین تمام جہل و رنج و تکالیف ہین نہ کہ روح مین جو نور آلہی و سرور دائمی ہے ؎

جسم ظاہر روح مخفی آمدست ہر گرانی و کسل خود از تن ست آب صافی در گلے پنہان شدہ قال تغیر اوصاف تن ست		جسم ہمچون آستین جان ہمچو دست جان ز خفت جملہ در پریدن ست جان باقی لنۂ ابدان شدہ روح باقی آفتاب روشن ست	

جسطرح روح کا تنزل ان پردون مین یکے بعد دیگرے ہوا ہے اسی طرح اُسکو واپس لیجاکر اُسکے مرجع اصلی پر پہونچایا جائے تو سچدآنند جو انسان کی اصل ہے اُسکو کیون نہ حاصل ہو ؎

مرد بیرون زخود تا وصل بینی		تو اصلی شاید از خود وصل بینی	

انسان کے ہر پردہ میں اجتماع روح و جسم سے ایک انانیت یا خودی پیدا ہوتی ہے اور اُسی پردہ کے مطابق ایک بیرونی عالم ہوتا ہے جسکو انسان اپنے حواس سے محسوس کرتا ہے ۔ عارف و جاہل مین صرف اتنا فرق ہے کہ عارف کی انانیت روح مین ہوتی ہے اسلئے وہ تعینات و تعلقات مین نہین پھنستا مگر جاہل کی خودی جسم مین ہوتی ہے اس لئے وہ علائق جسمانی مین مبتلا ہو کر طرح طرح کی تکلیفین اُٹھاتا اور

حصول مدعا سے مانع رہتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جبتک یہ خودی دور نہوگی حصول مدعا ناممکن ہے ۹

جادۂ راہ بقا غیراز فنا ملتا ہین		ہے خودی جبتک کہ انسان مین خدا ملتا نہیں
رہا نان تا بخورہ نیست بسیار		درین رہ مر خودی تست دیوار
اگر از خود بمیری آخر کار		حجاب اینجا تو مرداری بیک بار
اگر از خود بمیری یک دمے تو		نہی بر ریشں جانت مرہمے تو
گذر کن زین فضول و یار خود جوی		درون جان خود دیدار خود جوی
ترا جانست وازجان می چہ جوئی		کہ تو با او و او با تو تو اوے
تو اولی اسے ندیدہ وصل او تو		بماندہ چون پیازے تو بتو تو
بکن ترک ہمہ تا دوست گردی		چرا چندین بگرد پوست گردی
اگر تو ترک خود گیری خدائی		چرا چندین تو در عین بلائی

جب سوامی جی یہ کہکر خاموش ہوئے تو مین نے عرض کیا کہ آپ کی اس فیض رسانی کا شکریہ کسی طرح ادا نہیں ہوسکتا اب مین خوب سمجھ گیا کہ قیود مکان و زمان ہمارے سچد آنند ہونے مین مانع ہیں اور یہ قیود انسان کے ہر پردہ مین گم و ملیس رہتی ہین. اور جبتک خودی دور ہو انسان مقصود اصلی سے محروم رہتا ہے ہان تو جناب مین یہ جاننا چاہتا ہون کہ خودی دور ہو تو کیونکر ہو۔کچھ اسکا بھی علاج بتائیے۔ فرمایا کہ اچھا اسکا جواب پھر کبھی دینگے۔ اب تو یہان کا قصہ یہین رہنے دو

اگلے روز ہی معمولی اشنان کرنے اور پھل پھلاری کھانے کے بعد دوپہر کے وقت ایک درخت کے سایہ مین سوامی جی آرام کر رہے تھے فرمانے لگے لو تم کو ایک اور سفر کا حال سناتے ہین۔

فصل چہارم

سوامی جی کا سفرنامہ

ایک بار چلتے پھرتے نربدا ندی کی گھاٹی میں اتفاق سفر ہوا۔ صبح کا سہاؤنا وقت تھا۔ بسنت رُت موسم خوشگوار ہوا میں اعتدال پھر دریا کا کنارہ اور قدرتی باغ و بہار کا نظارہ۔ جابجا چھوٹی چھوٹی خوشنما پہاڑیان سبزے اور بیل بوٹون سے لدی گویا سر برہی سی کھڑی تھین اس انتظار مین کہ آفتاب اپنی کرنون کے سنہری موباف سے اُنکی چوٹیاں گوندھے۔ پہاڑیون کے دامن مین اونچے اونچے تناور درخت، گویا اس کے تپشوی صفیں باندھے پتھریلے دریا کے پانی کی سریلی صدائیں نہایت شوق سے کان لگائے سنتے اور کبھی وجد میں آکر سر دُھنتے تھے۔ جب مشرقی افق پر سرخی چھائی اور زنگار آتشیں رخسار کے نقاب اُلٹنے کا وقت قریب آیا تو درختوں پر بھانت بھانت کے پرندوں کا جمگھٹ ہو گیا مختلف سُروں میں چہچہائے اور مبارک سلامت کے نغمے گانے لگے۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے ورگی ارگن کے سب پردے ایک ساتھ چھیڑ دیے ہین ہوا کے نرم نرم جھونکون کے ساتھ جنگل کے رنگا رنگ پھولون اور پتیوں کی خوشبو بھک بھک آ رہی تھی گویا عطار قدرت نے عطر مجموعہ کا قرابہ کھول دیا تھا جسکی مہک سے روح راحت پاتی تھی۔ میں اِس عالم نشاط میں جھومتا جھامتا مستانہ وار چلا جارہا تھا اور کل حواس اپنے اپنے مرغوبات لطیف سے محظوظ تھے۔ البتہ بیچاری زبان ہی محروم تھی اِسی واسطے وہ اُس لطف و سرور کے بیان سے قاصر ہے۔

غرض چلتے چلتے دوپہر ہونے کو آیا تو میں دریا کے کنارے ایک سہاؤنی جگہ بیٹھ گیا کپڑے اُتار کے اشنان کیا اور کچھ پکے پکے پھل آس پاس کے درختون سے توڑ کر کھالئے

اور پہر بھر آرام کر کے پھر چل پڑا۔ جب غروب آفتاب کا وقت قریب آیا تو مجھکو شب گزاری کا فکر ہوا۔ اتفاق سے ایک شخص نظر آیا میں نے اُس سے پوچھا کیوں میاں اس جنگل میں کوئی مقام ایسا بھی ہے جہاں رات کو بسرام کرنے کا ٹھکانہ مل سکے بولا جی ہاں بہت عمدہ جگہ آپ کو ملجائیگی۔ یہاں سے تھوڑی دور آگے چلکر سدھ بابا کی منڈھی ہے۔ بہت اچھے فقیر ہیں اور بڑے دیالو بس اُنکے پاس جا ٹھہرو۔ بہت آرام پاؤ گے یہ سنتے ہی میں نے قدم بڑھایا اور ذرا دیر میں ایک چھوٹی پہاڑی کے پاس جا پہونچا جو دریا کے عین کنارے پر تھی اور پانی اس سے ٹکرا کر گذرتا تھا۔ میں اُسکے بیان سے سمجھ گیا کہ سدھ بابا کی منڈھی یہیں ہوگی مگر وہ پہاڑی گھنے درختوں سے ایسی ڈھکی ہوئی تھی کہ اوپر کی کچھ کیفیت نظر نہ آتی تھی نہ چڑھنے کو رستہ ملتا تھا ناچار درختوں کی ڈالیاں پکڑ پکڑ کر بدقت تمام اوپر پہونچا تو اس کنج عافیت کو دیکھکر دل باغ باغ ہو گیا۔ چوٹی پر ایک وسیع چبوترہ ہے نہایت صاف ستھرا ہموار جسکو تین طرف سے درختوں نے گھیر رکھا ہے اور ایک سمت دریا کی سیر کے لئے کھلی ہے اُسکے مقابل دو خوشنما کٹیں سی ہوئی ہیں۔ کھلی جانب چبوترہ کے کنارے ایک چٹائی پر بیٹھے سدھ بابا دریا کی سیر دیکھ رہے تھے میں جو یکایک جا پہونچا تو نہایت مہربانی سے پیش آئے۔ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور آنے کا سبب پوچھا میں نے پرنام کے بعد عرض کیا کہ باباجی میں ایک مسافر ہوں اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو میں چاہتا ہوں کہ رات کو آپ کے پاس قیام کروں صبح اُٹھکر اپنا رستہ لوں مسکرا کر کہنے لگے کہ اجی مجھکو تکلیف کیسی! میں بھی تم جیسا ایک مسافر ہوں شوق سے ٹھہرو خوب گذرے گی جو مل بیٹھینگے دیوانے دو۔ کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر اُٹھے اور اپنی کٹی میں سے چند پھل اور دھونی میں سے کچھ جڑیں نکالکر میرے سامنے لا رکھیں اور فرمایا یہ کھاؤ۔ میں نے جو ان جڑوں کو کھایا تو حیران

رہگیا کیونکہ ایسا ذائقہ عمر بھر کسی کھانے میں نہ پایا تھا میں کھاپی کر فارغ ہوا تو باباجی پھر باتین کرنے لگے وہ بھی عجیب سماں تھا دریا شیرین ادا سے آہستہ آہستہ بہ رہا میدان مین دودہ سی چاندنی چھٹکی ہوئی۔ درختون سے چھن چھنکر نور برس رہا۔ ہوا سرد اور معطر چل رہی چاروں طرف خموشی چھائی ہوئی۔ سنسان اور ہو کا مکان۔ یہ ایسا دلکش نظارہ تھا کہ آسمان کے چند ستارے بھی ٹکٹکی باندھے اسی کو دیکھ رہے تھے جب زیادہ رات گئی تو باباجی نے فرمایا لو اب آرام کرو۔ ایک کُٹی کی طرف مجکو اشارہ کیا دوسری میں آپ چلے گئے۔

کوئی پہر رات رہے میری آنکھ کھلی تو اُٹھ بیٹھا اور کُٹی سے باہر نکل آیا۔ دیکھتا کیا ہون کہ ایک بڑا شیر چبوترے پر بیٹھا دُم ہلا رہا ہے۔ اُسنے محبت کی نگاہ سے میری طرف دیکھا میں نے بھی اُسکو پیار کیا اور تھپکا جس طرح آگ کے پاس جانے سے اجسام مین حرارت آجاتی ہے۔ اسی طرح سچّے پریم کی صحبت جانداروں میں الفت پیدا کر دیتی ہے۔ یہ سدھ بابا کی محبت صادق کا اثر تھا کہ اس نواح کے کل ساکنین کے دل دشمنی سے پاک اور دوستی سے معمور تھے۔ پھر مین دیر تک اُس چاندنی میں چبوترہ پر ٹہلتا رہا جب صبح کی پو پھٹی تو وہ شیر اٹھکر چپ چاپ چلدیا۔ اتنے میں سدھ بابا بھی اپنی کُٹی سے نکل آئے تو مین نے چلنے کی پروانگی چاہی۔ ذرا تامل کرکے بولے آج تو اور ٹھرو کل جانا یہ کہکر بیٹھ گئے اور پُرانون کے دلچسپ و نصیحت آمیز قصے سناتے رہے۔ یہانتک کہ دوپہر ہونے کے قریب آیا اُسوقت فرمایا آؤ دریا کا اشنان کر آئیں ادہاں سے اُٹھ دریا کے کنارے پہونچے تو باباجی نے ریگزار رنگ پتھریاں چنکر مجھے دکھائین کیسی سڈول خوش نما خوش رنگ کہ جنکے دیکھنے سے جی نہ بھرتا تھا۔ کسی میں سنگ موسیٰ کی سی ملگجی سیاہی کوئی بلور جیسی سفید چمکیلی کسی مین عقیق کی سی ڈہڈہی سرخی پھر اُن مین زنار کی طرح سفید

دھاریاں پڑی ہوئیں۔ بعض میں کئی کئی رنگ نمودار۔ غرض قدرت کی صناعیوں کا عجیب نمونہ تھا۔ ماباجی نے یہ بھی فرمایا کہ اس نربدا ندی کے کنارے ایک ایسا مقام ہے جہاں درختوں میں سے گزر کر آفتاب کی شعاعیں پانی کی سطح پر پڑتی اور تہ آب کے پتھروں میں اُن درختوں کا عکس پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ قدرت کی عکسی تصاویر ایسی خوب صورت ہوتی ہیں کہ ہندوستان سے دور دست ولایتوں کو بطور نمونہ عجائبات بھیجی جاتی ہیں۔ گنڈکی ندی میں ایک مقام پر سالگرام کی مورتیں نکلتی ہیں جنکو اطراف ہندوستان میں لوگ پوجا کی غرض سے لے جاتے ہیں بعض قسم کے پتھر بطور دوا استعمال کئے جاتے ہیں۔ اکثر قیمتی پتھر جیسے ہیرا پنّا۔ لعل عقیق وغیرہ کو آدمی بطور زیور کے کام میں لاتے ہیں بعض پتھر ایسے ہیں کہ اُنکا تعویذ بنا کر یا انگوٹھی میں نگینہ جڑ کر پہنیں تو عجیب عجیب تاثیریں اُنسے ظاہر ہوتی ہیں کسی سے دینداری کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ کسی سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے کسی سے حسد و بغض وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اگر انساں کو ان پتھروں کے آثار و خواص سے پوری آگاہی ہو تو بہت فائدہ حاصل کر سکتا ہے اصل تو یہ ہے کہ علم باعث رحمت ہے اور جہل موجب تکلیف۔ ہاں غور کرنے والے غور کریں تو انھیں سنگریزوں میں اُس قدرت کاملہ کے کمالات کا جلوہ دیکھ سکتے ہیں جو تمام عالم کو ترتیب مناسب سے چلا رہی ہے ؎

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا

در و دیوار در پہ جب دیکھوں نت تو ہ
کانکر پاتھر ٹھیکری سب میں ارسی موہ

اشناں کے بعد ہم دریا سے واپس آئے تو ماباجی نے ایک پھل جو بیل کی سی شکل کا تھا دھونی میں سے نکالا اور اسکو توڑ کر ایک جوڑے چھلکے تھے پہلا یا تو اس میں سے کچھ چاول سے نکل پڑے۔ کھانے کے لیے میری تواضع کی میں نے بہت خوشی سے

کھانا شروع کیا اُس کی لذت لطافت اور خوشبو بیان مین نہیں آسکتی جو کھائے وہی جانے مقدار میں چھٹانک بھر سے زیادہ نہ تھے مین جلدی سے کھاچکا تو فرمانے لگے یہ نہ سمجھنا کہ ذرا سا لقمہ کافی ہوگا۔ سوامی جی کا فرمانا بالکل صحیح تھا۔ اُن چانولون نے ایسی فرحت اور قوت بخشی کہ ہفتہ بھر تک بھوک مطلق معلوم ہوئی اور طبیعت بدستور بشاش رہی۔

شام کو ہم دونوں دریا کے کنارے بیٹھے تھے کہ چاند طلوع ہوا اور ایسی ٹھنڈی کرنوں سے دل کو فرحت بے اندازہ دینے لگا۔ اسی عالم سرور و خاموشی مین دوسری طرف سے ایک اور چاند نمودار ہوا جسکے نور جمال نے پہلے چاند کو بھی ماند کر دیا یعنی ایک نازنین زہرہ جبین بسنتی لباس پہنے ہاتھ مین بینا لئے ہمارے سامنے آئی اور پرنام کرکے بیٹھ گئی اُسکی پاکیزہ شکل و شمائل سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس عالم کثیف کی مخلوق نہین بلکہ کوئی دیوی ہے جو عالم بالا سے ہمکو محظوظ کرنے آئی ہے۔ اُسکا بھولا بھالا نورانی چہرہ۔ اُسکی متانت اور سادگی۔ اُسکی پریم بھری چتون دیکھکر دل پر ایسا پاک اثر ہوا کہ مین دُنیا و فیہا کو بھول گیا گویا کہ میں سرگ میں ہوں جہان دیوی دیوتا ہمیشہ برماتما کے بھجن مین مشغول رہتے اور سرور دائمی کا حظ اُٹھاتے ہیں۔ اُس سراپا ناز نے باباجی کی طرف دیکھا جسکے یہہ معنی تھے کہ حکم ہو تو کچھ سناؤن۔ اُنھون نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ ہمارے مہمان ہین اجازت دین تو انکو اپنے سازو آواز سے خوش وقت کرو۔ میں نے عرض کیا کہ گانا تو روح کی غذا ہے بشرطیکہ حقانی ہو۔ اُس دیوی نے بینا اُٹھا پہلے تو کچھ گتین بجائیں جنکی خوبی سننے سے تعلق رکھتی ہے بیان مین نہین آسکتی پھر بینا پر یون نغمہ سرائی کرنے لگی ؎

	نام اور روپ مین تو بھولا رے مرکھو آتا سے نلگت ٹھکان رے	

تو ہے چھد کھید سے نیارا پر مانند کی کھان رے
کہوں رن کہوں آشرم بن رہو کہوں سو گر کھر سوان رے
وہاں نہیں من چیت بدھ ہو یکت ہے نا بانی ناگیان رے
نِن بج روپ سکے بھاس بھئے سے کبھو ہوے کلیان رے
وہان نہ دویت سُپنے ہو مین بھاسے ناچید ا ما بھان رے
دیکھ بچار سار سن مورکھ تب نہ جان اب جان رے
جوں دیس کا تو بسو یا جانے نہ وید پُران رے
رام داس تت پد کے لکھے بن کرم کینچ لیٹان رے

کرور سے مس گھر چلے کا دھیان

ست چیت آنند جہان ہت بھاسین کبھو نہ ہوے اگیان
پرم ستا ہتی پرم دیا جہان پرم پریم کی کھان
آواگون وہان نہین تا مین دیش کال نہین بھان
موت ہاتھ باندھے جہاں ٹھاڑی دُکھ کو نہ کبھو گمان
چھوٹو دیس چھٹے سب بندھو پیج دیش بدھان
جب سُدھ آوے گھر اپنے کی جل دھارا انکھیان
کال کلھاڑا سر پر باجے جلدی کرو پیان
باندھو کمر کاٹ سب بندھن یا ہی میں کلیان
چھوٹو جگت بندھے تم جتھیا ملکی سُواسمان
ہتّ مکت سمجھو اپنے کو جیر نداس پہ گیان

غزل

کچھ نہین کھلتا مجھے میں کون ہون
صورت حیرت ہون یا شکل جنون

عشق سے ہے سرمایۂ دیوانگی
سحر کب پاتا ہے اسکو اور فسون

آہ طالع سے مجھے رسوا کیا
ورنہ پنہان تھا مرا راز درون

حسن جانان جلوہ گر ہر شے مین ہے
دید میں ایسے نہیں کوئی زبون

کون پا سکتا ہے مجھ گم گشتہ کو
وین ڈھونڈے آکے یا دیارے دون

جسنے پہچانا ہے اپنے آپ کو
ہے نیاز اپنے قدم پر سرنگون

غزل

معشوق ہون یا عاشق معشوق نما ہون
معلوم نہیں مجکو کہ مین کون ہون کیا ہون

ہون شاہد تنزیہ کے رخسار کا پردہ
یا خود ہی میں شاہد ہوں کہ پردہ مین چھپا ہون

ہستی کو مری ہستئ عالم نہ سمجھا
ہون ہست مگر ہستی عالم سے جدا ہون

اسرار ہیں سب عاشق و معشوق کے مجھ میں
سوز جگر و دل ہون کبھی ناز و ادا ہون

گر گوش شنوا ہو تو مری رمز کو سمجھے
حق یہ ہے کہ مین ساز حقیقت کی صدا ہون

یہ کیا ہے کہ مجھپر مرا عقدہ نہیں کھلتا
ہر چند کہ خود عقدہ و خود عقدہ کشا ہون

نئے صبحی شانیں ہیں مری جلوہ گری میں
ہر رنگ میں میں مظہر انوار خدا ہون

غزل

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

مرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ
کہ جسکو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو آہ بیگانگی مین
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

کیا مجھکو داغون نے سرو چراغاں
کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا

اذیت مصیبت ملامت بلائیں
ترے عشق مین ہمنے کیا کیا نہ دیکھا

تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

حجاب رُخ یار تھے آپ ہی ہم
کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا

شب و روز اے درد درپے ہون اُسکے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

غزل

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

وحدت مین تیری حرف دوئی کا نہ آسکے
آئینہ کیا مجال تجھے مُنھ دکھا سکے

قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے
اُسکا پیام دل کے سوا کون لا سکے

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئین بھلا دے اگر تو بھلا سکے

یارب یہ کیا طلسم ہے ادراک و فہم یاں
دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے

گو بحث کرکے بات بٹھائی پہ کیا حصول
دل سے اُٹھا غلاف اگر تو اُٹھا سکے

اطفاے نار عشق نہ ہو آب اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

مست شراب عشق وہ بیخود ہے جسکو حشر
اے درد چاہے لائے بخود پر نہ لا سکے

غزل

وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دیے
پردے تعینات کے جو تھے اُٹھا دیے

سیلاب اشک گرم نے اعضا مرے تمام
اے درد کچھ بہا دیے اور کچھ جلا دیے

ہوں کشتۂ تغافل ہستی بے ثبات
خاطر سے کون کون نہ اُسنے بھلا دیے

گر کچھ ملال اثر نہ مرے حال پر کبھی
ہر چند روتے روتے مین نالے بہا دیے

یارب یہ کیا خرام ہے جسنے اک آن مین	کتنے ہی مردے حشر سے پہلے جگا دئے
دونون جہان کی نہ رہی کچھ خبر اُسے	دو پیالے میری آنکھون نے جسکو پلا دئے
اے شور حشر گردش دوران نے اہل قبر	ٹک بھی نہ سونے پائے کہ وونہیں جگا دئے
جا ہو وفا کرو نہ کرو اختیار ہے	خطرے جو اپنے جی مین تھے وہ سب اُٹھا دئے

فصل پنجم

خودی کی بیخ کنی

ایک دن سوامی جی نے فرمایا تم نے سوال کیا تھا خودی کیونکر دور ہو تو اب اُسکا جواب سنو یہ تو ہم پہلے کہہ چکے ہین کہ روح وجسم کے اجتماع سے انسان کے ہردے میں ایک انانیت یا خودی پیدا ہوتی ہے سو جاہل آدمی جسم ہی کو جانتا ہے رُوح کا اُسے علم نہیں اسلیئے اُسکی خودی جسم مین ہوتی ہے یعنی اُسی کو اپنا آپا سمجھتا ہے اور جسم کی آسائش موقوف ہے بیرونی اشیا پر تو وہ دنیوی تعلقات مین پھنسکر صدہا تکلیفین اُٹھاتا اور زندگی کے اصلی مقصود کو گم کر بیٹھتا ہے۔ البتہ جب اُسکو کچھ علم ہوتا ہے تو سمجھتا ہے کہ مین محض جسم یعنی پانچ عناصر کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ روح بھی میرا ایک جزو ہے اور جسقدر زیادہ تحقیق کرتا ہے اُسکو معلوم ہوتا ہے کہ روح ہی جزاعظم بلکہ درحقیقت روح ہی انسان ہے۔ اور جسوقت یہ علم ست سنگ اور بچار کے ذریعہ سے دل پر ایسا منقوش ہوجاتا ہے کہ اُس میں شک شبہہ باقی نہیں رہتا تو اُسکو علم الیقین کہتے ہین۔ علم الیقین حاصل ہونے کے بعد انسان عمل پر کمربستہ ہوتا اور نہایت حد وجہد سے ترک تعلقات کر کے شانتی یعنی اطمینان قلب حاصل کرتا ہے اور جب اطمینان حاصل ہوا تو عین الیقین کے مرتبہ میں پہونچتا ہے

یعنی جو مات پہلے علم میں تھی وہ اب دید بنجاتی ہے اسکے بعد خودی کی بیخ کنی ہوتی ہے کیونکہ جب ہمنے اپنی اصل وحقیقت دیکھلی تو خودی جو جہل پر مبنی ہے نہین رہ سکتی خودی دور ہونے کے بعد حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اُسوقت طالب اپنی منزل مقصود کو پہونچتا ہے

پس طالب کو چاہئے کہ حصول علم الیقین کے بعد ترک تعلقات مین دل سے کوشش کرے کیونکہ جب اس امر کا یقین ہوگیا کہ مین جسم نہین بلکہ روح پاک ہون جسکی اصلیت سچدانند ہے تو ظاہر ہے کہ غیر سچدانند سے تعلق رکھنے مین خرابی کے سوا کوئی نفع نہین ؎

غیر حق را می دہی رہ بر حریم دل چرا		میکشی بر صفحۂ ہستی خط باطل چرا

اس عالم میں ہر ایک شے سوائے ذات باری فانی ہے اور فانی کی حالت ہمیشہ متغیر رہتی ہے اسلئے جسقدر تعلق ان اشیا سے ہمکو ہوگا اُسی قدر اُنکا تغیر ہماری شانتی میں خلل ڈالیگا۔ اگر وہ تغیرات موافق طبع ہین تو اُسے خوشی حاصل ہوگی۔ مخالف طبع ہین تو رنج پیدا ہوگا۔ لیکن یہ عارضی خوشی اور رنج ہماری شانتی کے لئے دونوں مضر ہین۔ فرض کرو کہ آج ایک شخص تاج سلطانی زیب سر کئے ہوئے تخت طاؤسی پر جلوہ فرما ہے۔ اگر زمانہ کی گردش کل اُسکے ہاتھ میں کاسۂ گدائی دیکر در در بھیک منگوائے (جو کچھ بعید نہین) تو سوچو کہ اُسکے دل پر کیا گذرے گی ؎

عجب نادان ہیں وہ جنکو ہے عجب تاج سلطانی		فلک بال ہما کو پل میں بخشے ہے مگس رانی

بھگوت گیتا مین لکھا ہے کہ لذات حسی رنج سے بھری ہوئی ہین عاقل آدمی فانی اشیا پر کبھی فریفتہ نہین ہوتا ؎

غم چیزے رگ جان را اخرا شد		کہ گاہے باشد و گاہے نباشد

محسوسات کے اندر دش یعنی زہر بھرا ہوا ہے۔ اسی لحاظ سے سنسکرت میں اُنکا نام وشے ہے اور ثبوت اسکا یہ ہے کہ وشے کا بھوگ کرتے کرتے انسان آخرکار ہلاک ہوجاتا ہے

یہ زہر کوئی مادی زہر نہیں بلکہ محسوسات کے ساتھ تعلق خاطر ہونا بس یہی زہر ہے ہاں
اگر یہ زہر دور ہو جائے یعنی تعلق نہ رہے تو وہ مہلک نہیں بلکہ حیات بخش بن جاتے ہیں
بھگوت گیتا میں دو اشلوک ہیں جنکے معنی یہ ہیں "رغبت و نفرت دونوں سے الگ
رہکر جو شخص محسوسات کو کام میں لاتا ہے وہ منزل مقصود کو پہونچ جاتا ہے یعنی حیات
ابدی حاصل کرتا ہے" اُپنشد میں ایک اشلوک ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ "اگر انسان اپنی
اصل کو قرار واقعی جان لے تو پھر کس چیز کی اور کسکے لئے خواہش کرے اور کیوں جسم کے
پیچھے حیران پریشان پھرے" غرض اشیا کی خواہش جہل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اگر
جہل علم سے تبدیل ہو جائے تو اشیا سے ترک تعلق بھی لازم ہو جاتا ہے جب آدمی نے
یہ سمجھ لیا کہ جتنی اشیا ہفت طبقات عالم میں ہیں سب کی سب فانی و ناپائدار ہیں تو وابستگی
کیوں ہونے لگی۔ اور جب یہ جان لیا کہ انانیت شخصی جسکے لئے اشیا کی خواہش ہوتی ہے
خود باطل ہے تو پھر خواہش کسکے لئے۔ رہی انانیت حقیقی اُسکو ان اشیائے فانی سے
نہ کچھ مفاد ہے نہ ان کی پروا

عالم محسوسات کی بے ثباتی پر غور کرو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بڑا تھیٹر ہے
جس میں ہر لحظہ پردہ بدلتا ہے نئی نئی صورتیں نئی نئی شکلیں وجود میں آتی اور پرانی معدوم ہوتی
چلی جاتی ہیں۔ پس تبدیلی پر خوشی یا رنج کرنا فضول ہے۔ تماشائی کو چاہئے کہ ہر تبدیلی پر
یکساں رہے اپنی شانتی میں فرق نہ آنے دے ~~

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود	ز ہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

ناٹک میں ایک شخص کبھی بادشاہ بنتا ہے کبھی فقیر۔ لیکن وہ اپنے آپ کو نہ بادشاہ
جانتا ہے نہ فقیر بلکہ وہی سمجھتا ہے جو اصل میں ہے۔ نہ شاہانہ لباس سے مغرور ہوتا ہے

۔ فقیرانہ گدڑی سے ملول بلکہ یہ کوشش کرتا ہے کہ جو سوانگ بھرا گیا ہے اُسکا حق پورا پورا ادا ہو جائے۔ اسی طرح جب انسان اپنے آپ کو سمجھکر دنیوی کاروائی برن اور آشرم کی کرتا ہے اور اپنے اصلی روپ کو نہین بھولتا تو اوسکی دلبستگی اس جسم کثیف سے چھوٹ جاتی ہے تب وہ دوسرے پردہ مین داخل ہوتا ہے اور بتدریج بیرونی پردوں سے اندرونی مین عروج کرتا ہوا مقصود اصلی کو پالیتا ہے

	رفت شادان پیش اصل خویشتن		چونکہ جانش وا رہید از ننگ تن
	انچہ می جستیم آن ما ماستی		یار زیبا روئے ما ایجا ستی

انسان راحت کا طالب تو ہمیشہ رہتا ہے مگر غلط راہ چلتا ہے یعنی بیرونی اشیا میں تلاش کرتا ہے جہان اُسکا پتا نہین دیکھو ذائقہ اشیا کے صفات میں سے ہے تو اُسکے ادراک میں بھی سب آدمی متفق ہین۔ جو چیز شیرین ہے وہ سب کے نزدیک شیریں ہے اور جو نمکین ہے وہ سب کے نزدیک نمکین یہ دوسری بات ہے کہ کسی کو کچھ مرغوب ہو کسی کو کچھ مگر ادراک مین اختلاف نہین یہی کیفیت کل محسوسات کی ہے اسی طرح اگر راحت بھی اشیا کی صفت ہوتی تو کل انسان اُسکے ادراک مین متفق الراے ہوتے لیکن ہم دیکھتے ہین کہ جس چیز کو ایک شخص موجب راحت سمجھتا ہے دوسرا اُسی کو باعث کلفت جانتا ہے بلکہ ایک ہی شخص کی رائے کسی شے کی نسبت خود تبدیل ہو جاتی ہے

	اُسے اب جو دیکھا تو خلجان نکلا		جسے پہلے سمجھے سے آرام تر ہے

اس سے ظاہر ہے کہ راحت بیرونی اشیا مین نہین۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب راحت بیرونی اشیا مین نہیں تو کہاں ہے؟ جواب یہ ہے کہ تمھین میں ہے یعنی روح انسانی ہی مخزن راحت ہے۔

تو خوشی و خوب و کان ہر خوشی		تو چرا خود منت بادہ کشی	
خویشتن نشناخت مسکیں آدمی		از فزونی آمد و شد در کمی	

ہرن کے نافہ سے جب بوئے مشک پھوٹتی ہے تو وہ مست ہوکر اس کی تلاش مین چارون طرف دوڑا اورجنگل جنگل مارا پھرتا ہے مگر کہین نہین پاتا۔ کتا خشک ہڈی چچوڑتا ہے اور جب اُسکے دانتون سے خون نکلنے لگتا ہے تو خوش ہوتا ہے کہ ہڈی مین سے خون نکلا حالانکہ یہ صرف اُسکا زعم باطل ہے۔ اسی طرح انسان خود مخزن سرور ہے مگر اپنی نادانی سے اُسکو بیرونی اشیا مین تلاش کرتا ہے

خضر رہ مقصود اگر دل نہین ہوتا	
منزل کا پتہ سیکڑون منزل نہین ہوتا	

پس اول اس باب مین تفکر کرنا چاہیئے کہ راحت کا وجود تو یقینی ہے لیکن وہ بیرونی اشیا میں ہے یا خود ہم میں اور جب یہ بات ذہن نشین ہوجائے کہ وہ ہمارے ہی اندر موجود ہے تو پھر اس عادت کے تبدیل کرنے میں کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم اُسکو باہر نہ ڈھونڈین بلکہ اپنے آپ مین تلاش کرین۔ عادت کو سنسکرت مین سبھاؤ کہتے ہیں اور سبھاؤ کا دور کرنا سخت دشوار کام ہے مثلاً کوئی شخص پچاس سال سے افیون کھاتا ہو اب وہ اُسکے مضرتون سے واقف ہوکر چھوڑتا ہے تو جو تکلیف اُسپر گذرے گی۔ اُس سے بدرجہا زیادہ اِس سبھاؤ کے دور کرنے مین آدمی کو اذیت ہوگی کیونکہ بہت جنمون کا ہے لیکن ارادہ پختہ ہو تو آہستہ آہستہ اُسپر غالب آسکتا ہے اللہ بعضے اُلوالعزم ایسے بھی ہوتے ہین کہ جہاں اُن کو اپنی عادت کی غلطی معلوم ہوگئی فوراً چھوڑ دیتے ہیں اور پھر نام نہیں لیتے بھگوت گیتا میں ایک اشلوک ہے جسکے معنی یہ ہین کہ ایشر نہ کرم کو نہ کرم کے کرنے کو اور نہ کرم کے پھل کو پیدا

کرتا ہے یہ کل امور سبھاؤ سے ہوا کرتے ہین اِسلئے اِنسان کو اپنے سبھاؤ کی درستی مین بہت کوشش کرنا چاہیئے ۝

گر رہبر تست عادت خویش		مردود و منافقی بہ درویش		

راحت دراصل روح میں ہے اور جب دل کو شانتی یعنی اطمینان حاصل ہوتا ہے تو راحت کا ظہور ہوتا ہے اور جب دل متردد ہوتا ہے اور تردد کی وجہ سے راحت مین خلل پڑجاتا ہے تو راحت ظاہر نہیں ہوتی یعنی رنج محسوس ہوتا ہے چنانچہ ہر خواہش ہمارے دل میں ایک تردد پیدا کرتی ہے اور جسوقت شئے مطلوب کے ذریعہ سے خواہش پوری ہوجاتی ہے تو وہ تردد دور ہوجاتا ہے اور راحت پر جو پردہ پڑگیا تھا وہ اُٹھ جاتا ہے مگر ہم یون سمجھتے ہیں کہ راحت اُس شے میں ہے جس سے خواہش دور ہوئی تھی حالانکہ یہ محض غلط ہے ملکہ شئے مطلوب نے صرف اُس انتشار کو رفع کردیا جو مخل راحت تھا مثلاً ایک تالاب ہے جسکا پانی صاف وساکن ہے اور تہ کی ہر ایک چیز بخوبی نظر آتی ہے۔ اب تم ایک پتھر پھینک کر اُس پانی کو متحرک کردو تو وہ چیزیں اب نظر نہ آئیں گی لیکن جسوقت پانی اصلی حالت پر آجائیگا تہ کی چیزین بدستور دکھائی دینگی پس خواہش کا پیدا ہونا گویا شانتی کے پانی مین پتھر کا گرنا ہے اور جو چیز خواہش کو دور کرتی ہے وہ شانتی کو اصلی حالت پر لاتی ہے رہا تہ کی چیزون کا نظر آنا یعنی راحت کا ظہور وہ جیسا پہلے تھا اب بھی ہے کہین باہر سے نہین آیا۔ بعض حکمائے مغربی کو بھی اِس مسئلہ میں غلط فہمی ہوئی ہے وہ کہتے ہین کہ جسقدر انسان کی خواہشین زیادہ ہونگی اُسی قدر راحت زیادہ ہوگی کیونکہ خواہش کے پورے ہونے سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ جہان خواہشین کم ہون گی وہان راحت بھی کم ہوگی اِس قول کے بموجب تو بیماری بھی باعث راحت ہے

کیونکہ شفا پانے سے راحت حاصل ہوتی ہے گویا تندرستی ملا بیماری قائم رہے تو وہ راحت نہین۔ خیر ہم اُنکے اس خیال سے متفق نہیں ہین بلکہ ہمارے نزدیک تو خواہشات ہمیشہ انسان کو ذلت خواری کلفت اور آزردگی میں مبتلا رکھتی ہین ع دیئے لوہ جکھا جکھن لگھوئیں بڑو لکھات۔ یعنی طمع کا چشمہ لگاکر چھوٹا آدمی بڑا معلوم ہوتا ہے۔ اور جو خواہشون کا بندہ ہے وہ ذلیل آدمیون سے ملتجی ہوکر اور ذلیل ہوتا ہے ؎

زہد و تقوے چیست اے مرد فقیر	لا طمع بودن ز سلطان و امیر
آنکہ شیران را کند روبہ مزاج	احتیاج ست احتیاج ست احتیاج

اور طرفہ یہ ہے کہ ایک خواہش کے پورے ہوتے ہی دوسری شروع ہوجاتی ہے اور راحت حاصل ہوتے ہی کالعدم ہوجاتی ہے۔ غرض غور کیجئے تو جملہ تکالیف و مصائب کا باعث یہ خواہشین ہین اور یہی درحقیقت ہمارے حصول سعادت میں مانع ہین ؎

دل جو آلودست از حرص و ہوا	کے شود مکشوف اسرار خدا
صد تمنا در دل ست اے بوالفضول	کے کند نور خدا در دل نزول
سراپا آرزو ہونے نے بندہ کردیا مجکو	وگرنہ ہم خدا تھے گر دل بے مدعا ہوتا

انسان جو انا الحق کا رتبہ رکھتا ہے صرف ہوا و ہوس کی وجہ سے اس مقام خسیس یعنے اسفل السافلین میں محبوس ہے۔ اسلئے خواہشون کا دور کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ شانتی کا جانی دشمن یہی ہے۔ گوت گیتا مین لکھا ہے کہ جسکو شانتی نہین اُسکو سُکھ کہان۔ اور درحقیقت خواہشون کی جڑ خودی ہے جسنے اس بنا و فساد کو کھود کر پھینکدیا وہ سب بکھیڑون سے پاک ہے۔ خواہشوں سے پاک ہونے کی پہچان یہ ہے کہ آدمی ہر حال میں خوش رہے نہ کسی شے کی طرف رغبت ہو نہ کسی سے نفرت ہو

قومے بہ تماشاے زر و مال خوش اند	قومے بہ تماشاے خط و خال خوش اند
اینہا ہمہ اسباب خرابی دارند	خوش حال کسانیکہ بہر حال خوش اند

اکثر صاحبوں کا یہ خیال ہے کہ شانتی قطع تعلق سے حاصل ہوتی ہے مگر یہ خیال محض خام ہے۔ قطع تعلق سے نہیں بلکہ ترک تعلق سے حاصل ہوتی ہے۔ قطع تعلق صرف جسم سے ہوتا ہے اور ترک دل سے جب تک یہ خودی اور اسکے بسمار یلے یعنی خواہشیں بھون بھوں کرتے اور شور و غل مچاتے ہیں دل کو شانتی کہاں جسکی خودی دور نہیں ہوتی وہ قطع تعلق کرکے جہاں کہیں جاتا ہے نئے تعلقات پیدا کرلیتا ہے۔ لیکن خودی دور ہو جائے تو اشیا سے دلبستگی باقی نہیں رہتی اور دل جملہ تعلقات سے بری ہو جاتا ہے۔ پھر خواہ رہے یا تیاگ شانتی میں فرق نہیں آتا اور تمام فرائض بخوشی و سہولت ادا ہوتے ہیں

نمیگویم کہ از دنیا جدا باش		ہر کارے کہ باشی باخدا باش	

گوشہ نشینی اکثر خود غرضی سے کی جاتی ہے مدین خیال کہ ہمارے متعلقین ہماری ترقی روحانی مین مانع ہیں۔ گویا خودی کو بجاے دور کرنے کے اور مستحکم کرتے ہین جسکا نتیجہ مقصود اصلی کے عین برعکس ہوتا ہے۔ کسی نے اپنے محبوب کے دروازہ پر دستک دی آواز آئی کون؟ جواب دیا۔ مین۔ آواز آئی یہاں دو کی گنجایش نہین۔ کچھ تامل کرکے پھر دستک دی آواز آئی کون؟ اب کی جواب دیا تو فوراً دروازہ کھل گیا اور وہ اندر داخل ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ جب مین دور ہوکر صرف تو باقی رہجاتا ہے تو سالک راہ منزل پر پہونچتا ہے

تا توئی کے یار گردد یار تو		چون نباشی یار باشد یار تو	

تو مباش اصلا کمال اینست و بس	تو در و گم شو وصال اینست و بس

لیکن یہ آسان کام نہین تمام خواہشوں کو چھوڑنا اور نفس کو زیر کرنا زندہ درگور ہونا ہے۔ مو تو اقبل ان تموتوا جو لوگ بیان کرتے اور میرا میرا پکارتے ہین ہرگز اس راہ مین چلنے کے لائق نہیں اگر چلے بھی تو انجام بخیر نہیں ہوتا بلکہ اوروں کی رہبری کرتے ہیں ؎

بوالہوس پاؤں نہ رکھنا کبھی اِس راہ کے بیچ	کوچۂ عشق ہے یہ رہگذر عام نہیں

ایسے شخصوں کو چاہئیے کہ صبر سے کام لیں جلد بازی نہ کرین بلکہ وقت کے منتظر رہین اور آہستہ آہستہ خودی کو دور کریں بچہ دفعتہً جوان نہین ہو جاتا۔ اسی طرح جس میں ترک تعلق کی طاقت نہیں اُسکو چاہئیے کہ رفتہ رفتہ یہ حالت پیدا کرے برن اور آشرم کا یہی مطلب ہے کہ انسان میں ترک و تجرید کی استعداد بتدریج پیدا ہو اسلئے برن اور آشرم کے فرائض پورے پورے ادا کرنے چاہئیں۔ بے وقت کی تبدیلی سے بڑی خرابی پڑتی ہے اور انسان سخت مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے نفس امارہ کو مغلوب کرنا معمولی آدمی کا کام نہیں بلکہ بڑا دلیر و دلاور سورما چاہئیے جو اس دیو خونخوار پر فتح حاصل کرے ؎

نفس وہ سرکش ہے کہ مارا نہین جاتا	یہ جن کسی عامل سے اُتارا نہین جاتا

سری کرشن جی مہاراج نے جس خونخوار اژدہے کو زیر کیا اور اُسکے سر پر ناچے وہ دراصل یہی اژدہا تو تھا۔ جب تک انسان اُسکو زیر نہین کر پاتا اُسکی زندگی تلخ رہتی ہے مگر جس شخص میں ہنوز اُسکے زیر کرنے کی طاقت نہیں۔ اُسکو چاہئیے کہ مقابلہ میں نہ آئے کیونکہ اگر مر سکا تو ڈس ہی لیگا کیڑے ناگ لینا تو سہل ہے مگر اس اژدہے کی پھنکار سے بچنا سخت مشکل ہے۔ ع ۔ منوا اگر مارا نہین کیڑے رگے تو کیا ہوا

مان بڑائی ایرکھا من مین بھری انیک		نارائن سادھو ہے دیکھو اجمرح ایک

شاستروں مین لکھا ہے کہ جب کوئی دنیوی تعلق باقی نہ رہے اور کوئی فرض واجب الادا اُسکے ذمہ ہو اور خواہشات سے دل پاک ہو گیا ہو تو آدمی سنیاس لے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعلق مین رہکر ترک تعلق کرنا چاہیئے گویا ترک کے سبق کا یہ مدرسہ ہے نہ کہ جائے گرفتاری جیسا کہ اکثروں کا خیال ہے

انسان کی روحانی ترقی مین ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اُسکو خلوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُسوقت مرشد کامل اُسکا انتظام کر دیتا ہے اگر معمولی آدمی کو کچھ عرصہ تنہائی مین رکھا جائے تو شاید مجنون ہو جائے۔ اسلیئے قید تنہائی ایک وقت مین ہفتہ بھر سے زیادہ نہین کیجاتی گوشہ نشینی سے صرف وہی شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے جسنے کچھ درجے تک روحانی ترقی کرلی ہے عوام کو اُس سے کچھ نفع نہین **قطعہ**۔

چو ہر لحظہ از تو بجائے رود دل		بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
ورت مال و جاہ ست زرع و تجارت		چو دل با خدا ہی ست خلوت نشینی

دوسری وجہ قطع تعلق کی یہ سمجھی جاتی ہے کہ دنیا کی اشیا تنہائی مین ہمارے دلپر اپنا اثر نہ ڈال سکین گی۔ ابھی دنیا کی بے وقعتی تو ذہن مین جمی نہین اور کربیٹھے قطع تعلق اس عجلت کا نتیجہ خرابی نہو تو اور کیا ہو۔ اکثر گوشہ نشین اسی وجہ سے ڈگ جاتے ہین کہ ترک سے پہلے قطع تعلق کی جرأت کرتے ہین۔ بچہ سے کھلونے چھین لو تو کیا کھلونون کی وقعت اُسکے دل سے مٹ جائیگی؟ ہرگز نہین بلکہ اور بڑھیگی۔ جہان دیکھ پائیگا زیادہ للچائیگا البتہ وہ جوان و ذی شعور ہو جائے تو کھلونوں کی بے وقعتی اُسکے دل میں خود پیدا ہو جائیگی۔ اسی طرح جب دنیا اور مکروہات دنیا کی بے وقعتی دل میں جم جاتی ہے تو انسان اُسکی کشش سے

ماہر ہو جاتا ہے اُسوقت تنہائی اختیار کرے تو مضائقہ نہیں ورنہ وہی کیفیت ہوگی کہ ع
بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر + ایک فقیر صاحب فرماتے تھے کہ خدا ایسے بچون کو دولت
و حشمت کے جھمیلے دیکر خوش رکھتا ہے جب وہ جوان ہو جاتے ہیں تو معرفت
عطا کرتا ہے ؎

هر که آئینه صافی نشد از زنگ هوا — دیده اش قابل نظارهٔ حکمت نبود

جسقدر انسان کی خودی دور ہوتی جاتی ہے اُسیقدر محبت ہمدردی اور نیک
کامون کی طرف اُسکی رغبت بڑہتی جاتی ہے دوسرون کی نفع رسانی اُسکا عین ایمان دھرم
بنجاتا ہے نیکی کرنے سے عجیب سرور حاصل ہوتا ہے گویا اُ[illegible] [illegible]ت بنجاتا ہے اور یہی دنیا
اُسکی بہشت برخلاف اِسکے خودغرضی اِس عالم کو دوزخ سے بدتر بنا دیتی ہے ؎

مباش در پے آزار ہر چہ خواہی کن — کہ در طریقت ما غیر ازین گناہے نیست ؎
ہمسے کسیکو پہونچی نہ راحت ایسے مصیبت کوش ہوئے — جاں نہ تجی تو بار شکم تھے مر کے وبال دوش ہوئے

جب دیوتاؤن نے دوہیچ رشی کے پاس جاکر اُن کی ہڈیان مانگین تو وہ بہت ہنسے اور
خوش ہوکر فرمایا ”زہے قسمت کہ آج ہمارا جسم آپ صاحبون کے کام آئیگا۔ ہم تو سمجھتے تھے مفت
برباد جائیگا“ یہ کہکر ہڈیان نکالدین اور پرم دھام کو چلے گئے۔ سوامی بھاسکرانند جی بنارس
کے مشہور و معروف یوگی نے مرتے وقت اپنے دوستون اور مریدون سے کہاکہ میری
نعش نہ جلانا نہ دفن کرنا بلکہ جنگل مین رکھدینا تاکہ جانورون کے کام آئے جب انسان
اپنے آپ کو روح سمجھ لیتا ہے تو جسم کو چندان کارآمد نہین پاتا پس یون خیال کرتا ہے
کہ جس کسی کو اِس سے نفع پہونچے بہتر ہے۔ اور جب وہ ایک ہی نور الٰہی سب مین پاتا ہے
تو برادرانہ محبت کے جوش سے ایسا بھر جاتا ہے کہ انسان تو انسان جانورون کی ایذا بھی

اُسکو گوارا نہین ہوتی ۔ غرض محبت صادق ایک پیمانہ ہے جس سے خودی کے گھٹنے کا اندازہ ہوسکتا ہے بلکہ پریم ہی اس عالم مین اصل ہے باقی سب اُسکی فروع اسی سے روحون مین یگانگی پیدا ہوتی ہے ۔ اسی سے مخلوق کی رسائی خالق تک ہوتی ہے

برحرمن کائنات کردم چونگاہ
کاشانہ محبت ست باقی ہمہ کاہ

اس مضمون کے متعلق ایک بات قابل غور یہ ہے کہ جہل سے خودی پیدا ہوتی ہے خودی سے تعلق یعنی کسی شے کے ساتھ رغبت کسی سے نفرت ۔ تعلق سے خواہشیں اور خواہشوں سے ہر قسم کی تکلیفین اسلئے انسان کو چاہیئے کہ اول جہل کے دور کرنے میں سخت کوشش کرے اور کوشش بھی عملاً ہو تاکہ تکلیفات کی جڑ کٹ جائے اور سرور دائمی حاصل ہو جب تک انسان عین الیقین کے مرتبہ کو نہیں پہونچتا تب تک جہل کی بیخ کنی نہین ہوتی بلکہ اسکی ٹوٹی پھوٹی باقی ماندہ جڑ موقع پاکر پھر سرسبز ہو جاتی ہے اور اُس سے خودی کا انکر پیدا ہوتا ہے جس سے تعلق کا درخت خواہشات کی شاخیں اور تکالیف کے پھل نمودار ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے عابد و زاہد بعض اوقات اس درخت کی شاخون مین اولجھ جاتے اور سخت تکلیف پاتے ہین اسلئے طالب کو چاہیئے کہ ترک کے ذریعہ سے حصول عین الیقین کے لئے پوری سعی و کوشش عمل میں لائے تاکہ جہل کی جڑ کٹ جائے اور خودی کا انکر پھر نہ پیدا ہونے پائے اسکے سوا طالب کو دوسری کوئی جائے امن و گوشۂ عافیت نہین ہے ؎

جب لگ تن ناہیں گلت مس ماہیں مرجات
تب لگ مورت شیام کی وہیں ماہ دکھات

فصل ششم

سوامی جی کا سفر نامہ

ایک روز سوامی جی نے فرمایا کہ آج ہم اپنے ایک اور سفر کا حال سناتے ہیں ہمنے ایک مرتبہ قصد کیا کہ ہمیں کیمی دیوی کے درشن کریں۔ یہ دیوی دنیا بھر کی دیوی دیوتاؤں میں سب سے زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ روئے زمین پر شاید ہی کوئی فرد بشر ہوگا جو انکی پرستش میں دل وجان سے مصروف نہو۔ دیوی جی کا مندر ایک دشوار گذار پہاڑ کوہ ہمالیہ میں واقع ہوا ہے جسکی راہ میں سخت مصیبتیں پیش آتی ہیں اور انتہا درجہ کی تکلیفوں کا سامنا ہوتا ہے اس وجہ سے اکثر انکے بھگت درشنوں سے محروم رہتے اور دل ہی دل میں انکا جپ تپ کیا کرتے ہیں اگرچہ ہر شخص دیوی جی کے درشنوں کا مشتاق اور زیارت کا آرزو مند رہتا ہے مگر معدودے چند ہی ایسے خوش قسمت ہیں جو زیارت سے فیضیاب ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی بہت درشن کے بعد صحیح سلامت واپس آتے ہیں

اس راستہ کی کیفیت سنو اول تو اس کوہ میں کوسوں تک جنگل اور بن ہے جسمیں سخت خونخوار درندے زہریلے سانپ اور ہیبتناک اژدہے رہتے ہیں۔ وحشی ہاتھیوں کے غول کے غول آزاد پھرتے ہیں رستہ کا کہیں پتا نہیں۔ سرزمین گرم ہوا ناقص پانی مہلک غرض اس خوفناک جنگل سے صحیح سلامت نکل جانا سخت مشکل ہے۔ تنہا آدمی کو تو بہت دشوار ہے۔ اسی لیے جب بہت سے جاتری جمع ہو جاتے ہیں تو قافلہ کا قافلہ کمپنی بنا کر چلتا ہے تاکہ وقت پڑے تو ایک کی ایک مدد کرے۔ ہمارے قافلہ میں سب ملکر کوئی سو آدمی تھے۔ دن کو چلتے تو سب کے سب شور و غل مچاتے۔ رات کو ٹھہرتے تو گرداگرد

آگ جلاتے تاکہ موذی جانوروں کے حملے سے امن ملے۔ اثناے سفر مین ایک دن
جھاڑی میں سے ایک شیر جھپٹا اور ایک مسافر کو دبوچ کر لے ہی گیا۔ سب دیکھتے کے
دیکھتے رہگئے ہاے ہاے کرنے اور غل مچانے کے سوا کسی سے کچھ نہ بن پڑا ایکدن
ایک بڑا سانپ درخت کے اوپر سے گرا اور نیچے جو آدمی بیٹھا تھا اُسکو لپیٹ گیا۔ ہرچند
چھوڑانے کی کوشش کی مگر کچھ کارگر نہوئی ناچار لاٹھیوں سے پیٹنا شروع کیا خیر سانپ
تو مرہی گیا مگر وہ آدمی بھی نہ بچا۔ ایک دن چند تھکے ماندے مسافر ایک لٹھے پر جا لیٹے
کچھ ضرورت جو پیش آئی تو کسی نے وہیں آگ سلگادی جسوقت آگ تیز ہوئی تو لٹھا جنبش
مین آیا تب معلوم ہوا کہ یہ تو اژدہا ہے ہم سب نے بھاگ کر جان بچائی۔ ہمارے
کتنے ہی ساتھی آب و ہوا کی خرابی سے ایسے بیمار پڑے کہ کوئی اِس منزل کھیت رہا
کوئی اُس منزل۔ غرض بہت سی جانین ضائع کرکے ہم تھکے ماندے نیم جان بہزار خرابی
پہاڑ تک پہونچے جسکی بلندی کو دیکھکر خوف آتا تھا اب یہان سے چڑھائی شروع ہوئی
جنگل تو ایسا گنجان نہ تھا جیسا طے کرکے آئے تھے جانور بھی کم تھے۔ پانی البتہ مشکل
سے ملتا تھا مگر جو ملتا وہ صاف اور شیرین تھا ہوا بھی تو گرم لیکن ایسی مضر نہ تھی جیسی بن
کی۔ تاہم سب مصیبتوں کی ایک مصیبت یہ کمبخت چڑھائی تھی جسنے مسافروں کے چھکے
چھوڑا دیئے دم ٹوٹ گیا گھٹنے تھک گئے۔ کوئی یہان گرا کوئی وہان چند آدمی جو کمزور
تھے ایسے بیٹھے کہ پھر نہ اُٹھے۔ لوگوں نے بہت سہارا دیا ہمت بندھائی مگر جب اپنا
ہی بل بوتا کام نہ دے تو ساتھیوں کی مدد سے کیا ہوسکتا ہے اب ہم ایک ایسی جگہہ
پہونچ گئے جہان سے سفر دلچسپ و آسان ہوگیا۔ یہ مقام نہایت پرفضا خوشنما اور سرسبز
تھا جابجا سرد و شیرین چشمے جاری۔ ڈھالوں پر خودرو پھولوں کے تختے

کھڑے درختوں پر خوب صورت پرند خوش الحالی سے چہچہاے جن کی صدا ہوامین گونج اُٹھتی تھی ہرن باڑ ہے۔ لنگور۔ اُچھلتے پھرتے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم بیچ بیچ ایک گلزار پر بہار مین گل گشت کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہان بھی چڑھائی سخت مشکل تھی مگر کچھ تو ہم کو اُسکی مشق ہوگئی تھی کچھ اِس دلکشا مقام کی خوبی نے ہماری محنت کو ہلکا کر دیا تھا۔ اِسلئے اب سفر ناگوار نہ تھا۔ چلتے چلتے اس حصّہ کو طے کرکے ہم کوہستان کے اُس سلسلے پر جا پہونچے جو موسم سرما مین برف سے ڈھکا رہتا اور صرف گرمی کے دنون مین قابل گزر ہوتا ہے یہان ایک وسیع میدان تھا جو سبزی رنگا رنگ بیل بوٹون پو قلمون پھول پتون سے ایسا آراستہ و مرتب نظر آتا تھا گویا فراش قدرت نے بوٹہ دار فرش زمردین نووارد مہمانون کے لئے ابھی بچھایا ہے۔ اور اس صحن دل افروز کو اپنی صنعت کی میناکاریون سے خوب ہی لگا کر سجایا ہے اُس مین سے ایسی بھینی بھینی مہک نکل رہی تھی جو دل و دماغ کو تر و تازہ کرتی تھی۔ ہمکو تو یہ گمان ہوا۔ شاید پجاری دیوی جی کو دھوپ دیپ دے رہے ہین چھ مہینہ تک جو برف جمی رہتی تھی تو اس وجہ سے۔ کوئی درندہ چرندہ چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ کہین اونچے درختون کا نشان تھا۔ البتہ چھوٹے چھوٹے خوب صورت خوش رنگ خوش آواز پرندے چابجا چہک رہے تھے۔ یہان کی دل کش فضا اور لطیف ہوا۔ پرندون کی چہک اور سبزہ کی مہک دل پر عجیب اثر پیدا کرتی تھی جو بیان مین نہین آسکتا اِس چوتھی منزل مین کچھ فاصلہ پر برفستان سے ملا ہوا دیوی جی کا مندر ہے اب ہم ایسی جگہ جا پہونچے جہان سے مندر صاف نظر آتا تھا۔

مین ایک سادھو سے عجائبات قدرت کی نسبت بات چیت کرتا چلا جا رہا تھا کہ ایک شخص بولا کیون مہاراج یہ پہاڑ اتنے اونچے کیونکر ہوگئے اور اُنسے دنیا کو

کیا فائدہ پہونچتا ہے اور یہاں ایسا کرنے کا چارہ کیوں ہے سادھو صاحب نے دریا کران پہاڑون کی ہزارہا من مٹی ہرسال کی بارش مین دھل دھلاکر دریاؤن کی راہ سے سمندر میں پہونچ جاتی ہے جس سے سمندر کی سطح زمین ہرسال بلند ہوتی چلی جاتی ہے اور پہاڑون کی بلندی گھٹتی جاتی ہے کہین مدتہائے دراز مین یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ سمندر کی تہہ پہاڑون کی اونچائی سے بھی زیادہ ہوجاتی ہے تب سمندر کا پانی اس نشیب کی طرف آنے لگتا ہے اور پہاڑ کی جگہ سمندر اور سمندر کی جگہ پہاڑ ہوتا ہے اور ایسی تبدیلیان اس کرہ زمین پر سمندر کی بدولت ہوتی رہتی ہیں مگر مدت دراز میں۔ جہان اب ہمالیہ پہاڑ ہے یہاں کسی زمانہ مین سمندر تھا۔ اس امر کی تصدیق اُن بڑی سمندری مچھلیوں کے کھانگرون سے ہوتی ہے جو ہمالیہ کی بلند چوٹیون پر پائی گئی ہین دوسری وجہ ناہمواری زمین کی یہ ہے کہ جب بطن زمین کے اندر کے سوختنی مادے بھڑک اُٹھتے ہین تو مٹی کے بالائی طبقہ کو اُلٹ پلٹ کرکے پہاڑون کو نمودار کردیتے ہین بعض اوقات زمین کی اندرونی حرارت مشتعل ہوکر پہاڑ کے منھ دون سے پھوٹ نکلتی ہے چنانچہ ہندوستان مین جوالامکھی پہاڑ مشہور ہے وہان ایسے ہی شعلے نکلتے ہین جنکو جوالامکھی دیبی کہتے ہین۔ سال میں دوبار وہاں میلہ لگتا ہے جس مین اطراف وجوانب سے آکر بہت جاتری جمع ہوجاتے ہین۔ بعض اوقات یہی اندرونی حرارت ایسا جوش مارتی ہے کہ پہاڑ کے پرخچے اُڑا دیتی ہے اور گرم راکھ اور پتھر اس زور شور سے ہوا مین اُڑتے ہین کہ کوسون تک اُنکا مینھ برس جاتا ہے۔ ایسے پہاڑ کو آتش فشان کہلاتے ہین جب آتش فشانی ہوتی ہے تو گرم راکھ اور پتھرون کے علاوہ بعض وقت پہاڑ کے موکھے مین سے ایک سیّال مادہ پگھلی ہوئی دھات کی مانند نکلتا ہے

اور یہ آتشیں روجن بستیوں سے گذرتی ہے اُن کو جلا کھون کر تہس نہس کر ڈالتی ہے ایسے حادثات کے وقت بعض اوقات نہایت ہولناک آواز ہوتی اور دور دور تک زمین لرزجاتی ہے اسی کو بھونچال یا زلزلہ کہتے ہین - اندرونی حرارت کی وجہ سے بعض پہاڑی مقامات مین گرم پانی کے چشمے اُبلتے ہیں مدری ناتھ جی مین ایک ایسا ہی چشمہ ہے بعض چشمون کے پانی مین معدنی اجزا بھی شامل ہوتا ہے - جیسے نینی تال کے ایک چشمہ سے گندھک ملا پانی نکلتا ہے اور یہ پانی بہت ہاضم ہوتا ہے -

اِن پہاڑوں سے نوع انسان کو بہت فائدے پہونچتے ہیں اول توسونا چاندی لوہا تانبا وغیرہ کل دھاتون کی کھان پہاڑون مین ہوتی ہے گویا پہاڑ ہماری دولت کے خزانے ہین دوسرے اونچے اونچے پہاڑون پر بارش بھی خوب ہوتی ہے اور برف پڑتی ہے جس سے بڑے بڑے دریا ہمیشہ جاری رہتے میدانون کو سیراب شاداب کرتے اور کاشتکاری و تجارت کو نفع پہونچاتے ہین - تیسرے صدہا قسم کی معدنی اور نباتی دوائین ہین جو پہاڑون سے دستیاب ہوتی ہین اُنکے استعمال سے آدمی قوت وصحت حاصل کرتے اور بیماریوں سے شفا پاتے ہین - چوتھے پہاڑی جانورون سے بہت سی کارآمد چیزین ہمکو حاصل ہوتی ہین ہرن کا مشک پہاڑی بکریون کی مہین اُون جسکے شال دوشالے بُنے جاتے ہین پانچوین بیش بہا جواہرات بھی پہاڑی سرزمینون مین ملتے ہین - چھٹے سنگ مرمر سنگ موسی سنگ پٹھانی سنگ سرخ وغیرہ قسم قسم کے پتھر پہاڑون سے کاٹ کر لاتے اور آدمی اپنے لیے بڑی بڑی عالیشان اور پختہ عمارتین تیار کرتے ہین جو صدہا سال تک قائم رہتی ہین - جیسے آگرہ مین تاج گنج کا روضہ کہ جسکی تعمیر کو قریب ڈھائی صدی کے ہوا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج تیار ہوا ہے ساتوین پہاڑون مین بعض مقام

ایسے صحت افزا اور دلکشا ہوتے ہین کہ وہان جانے سے سیر و تفریح کے علاوہ تندرستی بحال ہوجاتی ہے جیسے کشمیر شملہ نینی تال وغیرہ جہان خاصکر گرمی کے موسم مین دور دور کے لوگ آتے اور وہان کے چشمہ سارون اور مرغزارون سے بہشت برین کا لطف اُٹھاتے ہین۔ دربار اکبری کا ایک شاعر جو اپنے آقا کے ہمرکاب کشمیر گیا تھا اُسکی تعریف مین لکھتا ہے ؎

ہر سوختہ جانے کہ بکشمیر درآید	گر مرغ کباب ست کہ با بال و پر آید
این چشمہ و این سایہ و این سبزہ و این گل	و صفش نچنان ست کہ در گفت درآید

عمدہ آب و ہوا اور دلکش فضا کی وجہ سے اعلی درجہ کے یوگی اور سنیاسی بھی ایسے مقامات مین رہتے ہین کیونکہ وہان یوگ اچھا ہوتا ہے۔ ایک فلاسفر کا قول ہے کہ جسکو قدرت کی شان دیکھنی منظور ہو اُسکو چاہیئے کہ پہاڑ اور سمندر کی سیر ضرور کرے کیونکہ قدرت کی شاندار کارروائیاں انھین دو مقامات مین نظر آتی ہین مہاراج شنکر اچارج نے ہندوستان کے چارون کونون پر چار مندر۔ بدری ناتھ جگناتھ سیت بندرامیشرا اور دوارکا قائم کئے تاکہ دور دراز خطون کے جاتری وہان جاکر بزرگ سادھوؤن اور کامل فقیرون سے اپدیش حاصل کرین۔ اِس ضمن مین ہندوستان بھر کی سیر اور سمندرون اور پہاڑون کی دیکھ بھال اور عجائبات قدرت کا مشاہدہ مفت ہے۔

ہندوستان کی عظمت سابق اور ذلت حال کی نسبت ایک شاعر حال حسب ذیل فرماتے ہین۔

خاک ہند

اے خاک ہند تیری عظمت مین کیا گمان ہے	دریائے فیض قدرت تیرے لئے رواں ہے

تیری حسین نور سے حسنِ ازل عیان ہے
اللہ رے زیب و زینت کیا اوج عز و شان ہے

ہر صبح ہے یہ خدمت خورشید پر ضیا کی
کرنون سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیہ کی

اس خاک دل نشین سے چشمے ہوئے وہ جاری
چین و عرب مین جن سے ہوتی ہے آبیاری

سارے جہان پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری
چشم و چراغ عالم تھی سرزمین ہماری

شمع ادب نہ تھی جب یونان کی انجمن مین
تابان تھا مہر بینش اس وادی کہن مین

گوتم نے آبرو دی اس معبد کہن کو
سرمد نے اس زمین پر صدقے کیا وطن کو

اکبر نے جام الفت بخشا اس انجمن کو
سینچا لہو سے اپنے رانا نے اس چمن کو

سب سورمیر اپنے اس خاک مین نہان ہین
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہین یا اُن کی ہڈیان ہین

دیوار و در سے ابتک انکا اثر عیان ہے
اپنی رگون مین ابتک انکا لہو روان ہے

ابتک اثر مین ڈوبی ناقوس کی فغان ہین
فردوس گوش ابتک کیفیت اذان ہے

کشمیر سے عیان ہے جنت کا رنگ ابتک
شوکت سے بہہ رہا ہے دریائے گنگ ابتک

اگلی سی تازگی ہے پھولونمین اور پھلونمین
کرتے ہین وجد ابتک طاؤس جنگلون مین

ابتک وہی کڑک ہے بجلی کے بادلون مین
پستی سی آگئی ہے پر دل کے ولولون مین

گل شمع انجمن ہے گو انجمن وہی ہے
حب وطن نہین ہے خاک وطن وہی ہے

برسون سے ہو رہا ہے برہم سماں ہمارا
دنیا سے مٹ رہا ہے نام و نشان ہمارا

کچھ کم نہین اجل سے خواب گران ہمارا
اک لاش بےکفن ہے ہندوستان ہمارا

اسکے بھرے خزانے برباد ہو رہے ہین
ذلت نصیب وارث غفلت مین سو رہے ہین

اے صور حب قومی اس خواب سے جگا دے
بھولا ہوا فسانہ کانون کو پھر سنا دے

مردہ طبیعتون کی افسردگی مٹا دے
اُٹھتے ہوئے شرارے اس راکھ سے دکھا دے

حب وطن سمائی آنکھون مین نور ہوکر
سر مین خمار ہوکر دل مین سرور ہوکر

شیدا ہی بوستان کو سرو و سمن مبارک
رنگین طبیعتون کو رنگ سخن مبارک

بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک
ہم بیکسون کو اپنا پیارا وطن مبارک

غنچے ہماری دل کے اس باغ مین کھلین گے
اس خاک سے اُٹھے ہین اس خاک مین ملینگے

ہے جوی شیر ہمکو نور سحر وطن کا
آنکھون کی روشنی ہے جلوہ اس انجمن کا

ہے رشک مہر ذرہ اس منزل کہن کا
تلتا ہے برگ گل سے کانٹا بھی اس چمن کا

گرد و غبار یہان کا خلعت ہے اپنے تن کو
مرکر بھی چاہتے ہین خاک وطن کفن کو

چکبست

دیکھو یہ سوال جو دل مین پیدا ہوا کہ ایسی شدت کی سردی یہان کیون ہے تو اُسیوقت پیدا ہوا جبکہ نشیبی میدان سے چلکر اونچے پہاڑ پر آئے سو یہ کچھ اچنبھے کی بات نہین یہ تو قدرتی قاعدہ کے بموجب ہے۔ آفتاب کی تپش جو زمین مین داخل ہوکر اُسکی سطح کو گرم کردیتی ہے تو سطح زمین کے قریب کی ہوا بھی گرم ہوجاتی ہے اور جو ہوا اونچی ہے وہ بدستور سرد رہتی ہے بلکہ جسقدر زمین سے اونچی ہوگی اُسیقدر زیادہ ٹھنڈی ہوگی۔ اب ان پہاڑون پر جو ہوا چلتی ہے وہ سطح زمین کی ہوا سے بہت ہی بلند ہے اسیواسطے بہت سرد ہے اور اسی لیے جاڑے کا موسم معلوم ہوتا ہے۔ جب ہوا مین سردی کا درجہ تھرمامیٹر کے حساب سے صفر سے نیچے پہونچ جاتا ہے تو اُس مین بادل جکبر یون برسنے لگتے ہین جیسے دُھنی ہوئی روئی کے پہل اُسکو برف کا گرنا کہتے ہین جب برف گرتا ہے تو بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے زمین درخت مکانات سب برف سے سفید ہوجاتے ہین گویا ہلکی دھنی ہوئی روئی بچھادی ہے چلو تو پاؤن دھس جاتا ہے مگر یہ کیفیت تازہ

برف کی ہوتی ہے بعد کو وہ جمکر مثل پتھر کے سخت ہوجاتا ہے برف یہان اونچے
پہاڑون پر ہی گرتا ہے نیچے پہاڑون اور میدانون پر کبھی نہین گرتا ان سرد مقامات مین
دریاؤن وتالابون کے پانی کے سطح پر برف جم جاتا ہے اور نیچے پانی بدستور رہتا ہے
اوپر انسان وحیوان چلتے ہین اور نیچے مچھلیان تیرتی ہین کل جو ہمنے دریا کو عبور کیا
تو یہی تو کیفیت تھی تم برف پر چل رہے تھے اور نیچے پانی شور کرتا رہا تھا یہ جو سامنے
کے پہاڑون کی چوٹیان سفید نظر آتی ہین۔ ایسی اونچی ہین کہ بارہ مہینہ اُنپر برف
جمی رہتی ہے۔

الغرض اسی قسم کی بات چیت کرتے ہوئے ہم دیوی جی کے مندر کے قریب
جا پہونچے۔ وہان جو دیکھا تو خلقت کا ایک اژدحام کثیر جمع ہے۔ سرون پر تھالی پھرتی اور
کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ بڑا بازار لگا ہے جس مین ہر قسم کا سودا سلف اور ہر ایک جنس اعلیٰ سے
اعلیٰ موجود ہے۔ جاتریون کے ٹھہرنے کو بھی پنڈون نے اچھے اچھے مکان بنا رکھے
ہین۔ دیوی جی کا مندر بڑا سونے کا ہے اور اُسکی روکار نہایت خوشنما نقش ونگار سے آراستہ
جس مین تمام دیوتاؤن کی تصویرین بڑی صناعی سے منقوش ہین عمارت ایسی شاندار
اور بلند کہ منزلون سے نظر آتی ہے۔ اُسکے چارون طرف نہایت آراستہ پیراستہ خوشنما چمن
بندی کی ہے جس مین چھوٹے چھوٹے خوشنما پھول بوٹے اور سبزہ کے سوا اور کچھ نہین ہے پھاٹک
پر ہر دو جانب دو طلائی شیر استادہ ہین جنکی صورت سے دیوی جی کی شان جلال ظاہر ہوتی
ہے۔ پوجاری جو دیکھے تو زرق برق مغرق لباس پہنے سر سے پانون تک زر و زیور مین
غرق۔ ہم قریب قریب پہر سوا پہر دن چڑھے اس دیو استھان مین پہونچ گئے تھے۔ اول
تو اشنان کیا پھر کھانا کھایا اور یہ معلوم کر چکے تھے کہ دیوی جی کے درشن رات کو ہونگے اسلیئے

تیسرے پہر سے جو اُٹھے تو شام تک میلہ کی سیر کرتے رہے جب آٹھ بج گئے تو درشن کی نیت سے ہم مندر کے احاطہ میں داخل ہوئے۔ اگرچہ جمگھٹ بہت تھا پھر بھی انتظام ایسا عمدہ تھا کہ کسی کو تکلیف نہین تھی اور کوئی شخص درشن سے محروم نہیں پھرتا تھا پہلے تو کل جاتری دیوی جی کی پرکرما (طواف) کرتے جسکے لئے ایک وسیع رستہ مندر کے گرداگرد نا تھا اس مین زیادہ بھیڑ بھاڑ نہ تھی بلکہ باری باری سے تھوڑے تھوڑے آدمی جانے پاتے تھے۔ جب وہ پرکرما پورے کرکے دیوی جی کے روبرو پہونچ جاتے تو دوسرے غول کو جانے کی اجازت ملتی اور پہلا غول درشنون سے فارغ ہوکر دوسرے راستہ سے ایک وسیع کمرہ مین داخل ہوتا جہان ایک پنڈت دیوی مہاتم سنارہے تھے کتھا سنکر اور پرشاد لیکر وہان سے باہر نکل آتے تھے۔

مین جو پرکرما کرکے دیوی جی کے سامنے پہونچا اور درشن کئے تو مجھپر ایک عالم حیرت طاری ہوگیا۔ مندر کے اندر ایک عجیب خوشگوار ہلکی زعفرانی روشنی تھی اور کل کمرہ لطیف خوشبو سے مہک رہا تھا۔ بیچ مین دیوی جی کی زرنگار مورت سنگھاسن پر بیٹھی جگمگ جگ مگ کر رہی تھی۔ اُنکے چہرہ کی تجلی اور چمک دمک بیان مین نہین آسکتی دونون پہلوؤن مین ایک حسین مہ جبین گلکار شبنم کا لباس پہنے جواہرات کے زیور سے ہرہفت بنی جوش جوانی مین سرشار دیوی جی کا چور کر رہی تھی۔ اِن نازنینان زاہد فریب کا نازک بدن سانچے کا ڈھلا کانٹے کا تولا باریک پیرہن مین ایسا جھلکتا تھا جیسے فانوس مین شمع ؎

نزاکت اُس گل رعنا کی دیکھیو انشا
نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

آدمی تو آدمی فرشتہ بھی دیکھے تو لوٹ جائے اِنکا شیرین تبسم اُس کی جادو بھری چتون اُنکی بے ساختہ اداعین حاضرین کے دلوں پر بجلیاں گراتی تھیں جاترِیون کی ٹھٹ کے ٹھٹ سرمست و مدہوش کسی کو کسی کی خبر نہین آنکھیں کھلی ہین اور ٹکٹکی باندھے دیوی جی اور اُن کی سیوکون کو تک رہے ہین۔ کچھ سُدھ بدھ نہیں کہ ہم کون ہین اور کہان ہیں ایسی سمادھی اگر پروردگار کی طرف ایک لحہ بھی لگ جائے تو انسان رتبہ میں ملاءِ اعلیٰ سے بھی گزر جائے۔ مگر یہ عیان اور وہ نہان۔ ایسا استغراق ہو تو کیونکر ہو۔ البتہ جب صفائی قلب اُسکو عیان کرتی ہے تو جلال وجمال ربانی نظر آتا ہے اُسوقت آدمی اُس سرور سرمدی کو پاتا ہے۔ اِس عالم تحیر و بیخودی مین نہین معلوم ہم کتنی دیر کھڑے رہے جب پردہ گرا اور وہ نظر فریب شکلیں نظر سے غائب ہوگئیں تو اوسان ٹھکانے آئے۔ اُسوقت ایک پوجاری ہمارا ہاتھ پکڑ کر کتھا کے کمرے میں لایا۔ اُس سے سنا کہ درشن کی اجازت تو چند لمحون کے لیے ہے پھر پوجاری پکارتا ہے کہ جاؤ درشن ہو چکے۔ مگر اُس کی سنے کون یہان تو کان ہمہ تن چشم بن گئے ہین۔ اسلئے جھٹ سے پردہ گرا دیا جاتا ہے تب لوگ ہوش مین آتے اور وہان سے ٹلتے ہین۔ سچ ہے عیش وعشرت کی دھن میں کوئی کسی کی نہین سنتا ہان جب مصیبت کا پردہ گرتا ہے تو انسان پند و نصیحت کے قابل ہوتا ہے۔

الغرض جب ہم کتھا کے کمرے مین پہونچے تو پنڈت دولت رام صاحب نہایت خوش بیانی اور طلاقت لسانی سے دیبی جی کا مہاتم بیان فرمار ہے تھے اُنکی تقریر لفظ بلفظ تو یاد نہین رہی مگر اُسکا خلاصہ یہ تھا

کیجنی دیوی کے بھگت ہمیشہ خوش وخرم رہتے ہین۔ کسی قسم کی تکلیف

انکو نہین ہونے پاتی - سب مرادین پوری سب حاجتین روا انکو کسی ادب قاعدہ کی پابندی لازم نہین کیونکہ اُنکے سب عیب لوگون کی نظر سے پوشیدہ رہتے بلکہ ہنر سمجھے جاتے ہین ؎

	ستار عیوب قاضی الحاجاتی		لے زر تو خدانۂ ولیکن بخدا

آشنا نا آشنا یگانے بیگانے سب اُنکی تعظیم تکریم کرتے ہین - وہ ہمیشہ عیش و نشاط کے گرداب مین غرق رہتے ہین اسلئے ان کی طبیعت ایسی یکسو ہوجاتی ہے کہ دنیا و مافیہا کی خبر تک نہین رہتی کوئی مرے یا جئے - جہان اُجڑے یا بسے - اُنکی بلاسے ؎

بلبل نے آشیانہ چمن سے اُٹھا لیا
اُسکی بلاسے بوم رہے یا ہما رہے

یوگ شاستر مین اسی حالت کو سہج سمادھی کہا ہے اور یہ صرف دیوی جی کے بھگتون کو نصیب ہوتی ہے - بس اُنکے دلون مین دیوی جی کے سوا نہ کسی کی محبت باقی رہتی ہے نہ کسی کے ساتھ ہمدردی کیونکہ ایسا کرین تو اُن کی سمادھی کھنڈت ہوجائے - عیش و نشاط کے سوا اُنکی طبیعت دوسری طرف جاتی ہی نہین جسم دبلا پتلا چہرہ زرد - کم خوراک - نفیس پوشاک - لطیف طبع - نازک مزاج - یہی لوگ سمادھی کے ادھکاری ہوتے اور سہج سمادھی کے مزے اُڑاتے ہین - اکثر عالم جوانی ہی مین دیہ تیاگ کر پرم دھام کو چلے جاتے ہین ضعف پیری کی بے انتہا کلفتین انکو بھگتنی نہین پڑتین - مگر جو دیوی جی سے بیکھر (برگشتہ) رہتے ہین اُنکی بڑی گت ہوتی ہے - مصیبتون کی مار امار اور آفتون کی بوچھار سدا اُنپر رہتی ہے - دنیا انکو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے - کوئی انکا آدر نہین کرتا - اسے اُپاسکو دیوی جی کی پوجا دل وجان سے کرو تاکہ اُنکی نظر عنایت

تمہارے حال پر رہے

یہ کہکر میں جب قیام گاہ پر واپس آیا تو رات بھر دیوی جی اور اُنکی سیوکون ہی کا دھیان بندھا رہا۔ صبح کو سوکر اُٹھے تو ہمارے ساتھیوں کی یہ راے ہوئی کہ آج آنند کنڈ کے اشنان کر لی جائے۔ چنانچہ یہ ارادہ کرکے ہم سب چل پڑے یہ کنڈ دیوی جی کے مندر کے نیچے کچھ فاصلہ پر پہاڑون کے بیچ مین ہے پانی اُسکا نہایت صاف شفاف تہ کی چیزیں ایک ایک کرکے گن لو اور سردستان جو قریب تھا تو سردا ایسا کہ یخ کو مات کرتا تھا وہان پہونچکر ایک عجیب بات ہمنے یہ دیکھی کہ ہزاروں آدمی اُس کنڈ کے کنارے بیٹھے کانپ رہے ہیں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ پانی کے اندر ایک ہار جواہرات کا ہے نہایت بیش قیمت اور مرصع ہر شخص اُسکی جستجو مین غوطہ لگاتا اور حد درجہ کی کوشش کرتا ہے مگر کسی کو دستیاب نہین ہوتا جب آدمی باہر نکلتا ہے تو سردی کے مارے بدن کانپتا اور دانت سے دانت بجنے لگتا ہے۔ یہ سنکر میں نے جو تالاب کی طرف نگاہ کی تو فی الحقیقت ہار اُس میں نظر آتا تھا میں تیراکی اور غوطہ زنی میں بڑا مشتاق تھا کیونکہ بچپن مین اچھے اچھے استادون سے یہ فن سیکھا تھا۔ میرا بھی جی للچایا اور کپڑے اُتارا اور لنگر لنگوٹ باندھا اور لوگون کی طرح پانی میں دھم سے کود پڑا اور سانس بند کرکے سیدھا تہ کو جا لگا وہاں دیر تک اُس ہار کو تلاش کرتا رہا۔ تہ کا چپہ چپہ ٹٹول مارا مگر کچھ ہاتھ نہ آیا آخرکار پانی سے سر اُبھارا اور دو چار ہاتھ مار کر کنارہ جا پکڑا اور جس طرح سب کانپ رہے تھے مین بھی کانپنے لگا۔ جب دھوپ کھا کر سردی چھوٹی اور بدن مین جان آئی تو مین نے پھر ڈبکی لگائی لیکن خالی ہاتھ نکلا۔ تیسرا غوطہ اور لگایا تو بھی ناکام رہا۔ غرض ہار جھک مار کر کپڑے پہن اپنا سا منھ لے ہمراہیون کے ساتھ ساتھ واپس چلا آیا۔ مجھکو دیوی جی اور اُنکی سیوکوں کی نسبت تو تعجب تھا ہی اب یہ ماجرا

اُسپرا ور طرہ ہوگیا کچھ دیر تک سخت خلجان رہا۔ پھر کھانا کھایا اور آرام کیا۔ اتنے مین تیسرا پہر ہوگیا جی مین آیا کہ چلو گیان دیوجی کے درشن کرین یہ اس نواح کے سادھوؤن مین بہت مشہور و معروف ہین۔ ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک چھوٹی سی کٹی مین رہتے ہین۔ جہان سے گیننی دیوی جی کا مندر اور آنندکنڈ دونون نیچے نظر آتے ہیں اور پر صاف نکھرا آسمان ہے اور آفتاب عالمتاب کی تجلی۔ سادھو جی ہین تو عمر رسیدہ مگر پھر بھی قوے مضبوط اور جوانون سے ٹانٹے معلوم ہوتے ہیں چہرہ سے نور الٰہی کی برکت جھلکتی ہے تنہائی پسند سخت ہیں اس لئے اُن کے خلوت کدہ مین عوام کا گذر نہین ہونے پاتا بلکہ خاص خاص طالب صادق ہی اُنکی صحبت مین باریاب ہوتے ہین مین جو پہونچا تو کٹی کے اندر دو زانو بیٹھے تھے۔ میں بھی پرنام کرکے بیٹھ گیا مزاج پرسی کے بعد آنے کی عرض دریافت کی مین نے عرض کیا جناب! مین عجیب مخمصہ اور خلجان مین مبتلا ہوں۔ امید ہے کہ آپکی فیضان صحبت سے رفع ہو جاے پھر مین نے دیوی جی کے مندر کی زیارت اور آنندکنڈ کی غوطہ زنی کا ماجرا من وعن سنایا تو وہ مسکرانے لگے اور کچھ باتین کرنے کے بعد ایک چھوٹی سی جیبی دوربین مجکو عنایت فرمائی اور کہا کہ اب کی مرتبہ دیوی جی کے درشنون کو جاؤ تو یہ دوربین لگا کر دیکھنا اور آنندکنڈ پر پہونچو تو یہی دوربین مین اوپر کی جانب نظر کرنا۔ کل ہمارے پاس پھر آنا اور جو کیفیت دکھائی دے بیان کرنا۔ بس اب رخصت۔ مین پرنام کرکے اُلٹے قدم واپس ہوا۔

رات کو جو درشنون کے لئے گیا تو گیان دیوجی کے فرمانے کے مطابق عمل کیا اُس دوربین کے ذریعہ سے تو کچھ اور ہی کیفیت نظر آئی ؎

سے نمایاں نور نار و نار نور
ورنہ دنیا کے پردے دار الغرور

اُس جگہ جوت والی مورتی پر غور کیا تو نری مٹی کی۔ زرد رنگ مین رنگی ہوئی اور اُسپر

جلائی ہوئی ہے جسکو ہیئے کے اندھون نے سونا سمجھ رکھا ہے۔ اُن پری جمال سیو کو نیر جو نظر ڈالی تو ثابت ہوا کہ اِن کی اصلیت بھی یہی مٹی ہے مگر اس مٹی کا خمیر اور رنگ و روغن دوسرے طور پر کیا گیا ہے جو مورتی کی ساخت سے بالکل جدا ہے۔ اِن نازنینون کے اندر صناع کامل نے ایک کل لگا دی ہے جسکے ذریعہ سے وہ صاحب حس و حرکت اور ذی فہم و ادراک ہیں۔ وہ کل بھی اُس دوربین کے ذریعہ سے نظر آتی تھی مگر ایسی باریک تھی کہ اُسکی ماہیت و حقیقت کا سمجھنا امر محال ہے۔ غرض ان مٹی کی مورتوں پر تمام خلقت ایسی دیوانہ و شیدا ہو رہی تھی کہ گویا کوئے بھانگ پڑی ہے مجھے اُنکی غلط بینی پر سخت افسوس آتا تھا اور میں دل ہی دل مین کہتا تھا۔ کاش یہ دوربین سب کے پاس ہوتی! میں نے چاہا بھی کہ بعض آدمیون کو اصلی کیفیت دکھاؤن مگر وہ تھے عالم بیہوشی میں دکھاتا کسے۔ مین نے جو اُس مجمع پر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ ایک صاحب اور بھی ایسی ہی دوربین لگائے دیکھ رہے ہین میں سمجھ گیا کہ یہ گیان دیوجی کی عنایت کا صدقہ ہے جو ہزارون مین کوئی ایک آدھ اصلی حالت کو معلوم کر پاتا ہے۔

دوسرے دن صبح کو مین آنند کنڈ پر پہونچا اور دوربین لگا کر اوپر کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ پہاڑ جو سب تالاب کھڑا ہے اُسکی آڑ مین ایک اور بلند پہاڑ ہے۔ اُسکی چوٹی پر ایک درخت ہے اُس درخت کی ایک شاخ تالاب کے اوپر جھکی ہوئی ہے جس مین یہ نادر ہار لٹک رہا ہے۔ یہ جو تالاب مین نظر آتا ہے اُس ہار کا عکس ہے۔ درخت اسقدر بلندی پر تھا کہ بغیر دوربین کی مدد کے خالی آنکھ سے ہار مطلق نظر نہ آتا تھا۔ اِس مشاہدہ سے میرا تحیر بالکل رفع کر دیا ہے

چلنا چلنا سب کہیں بہو پیچے بڑا کوے		ایک کنچن ایک کامنی دُرلبھ گھاٹی دوے

دن ڈھلے مین گیان دیو جی کی خدمت مین حاضر ہوا اور اُنکی مہربانی کا بہت بہت شکریہ ادا کرکے مین نے عرض کیا کہ آپ یہ دوربین مجکو عطا نہ فرماتے تو عمر بھر میرا اشک رفع نہوتا مہاراج نے فرمایا اسکو بحفاظت تمام اپنے پاس رکھو یہ تمکو ہر شے کی ماہیت سمجھنے مین مدد دیگی پھر کہنے لگے کہ یوں تو ہر شخص آنند کا متلاشی رہتا ہے مگر غلطی نظر سے اُسکو وہان تلاش کرتا ہے جہان وہ قطعاً نہین ہے آنند دراصل روح مین ہے اُسکا عکس پڑتا ہے جسکے باعث مین جوہر کے اندر یعنی اشیاے عالم مین نظر آتا ہے۔ انسان تمام عمر آنند کی جستجو مین غوطہ زنی کرتا اور تہ کی طرف جاتا ہے کیسی کیسی آفتیں جھیلتا ہے پھر بھی اُسکو نہین پاتا البتہ گیان کی دوربین لگاکر دیکھے تو پتا لگے کہ دراصل آنند کہان ہے اور جب اُسکی اصلی جگہ معلوم ہوگئی تو پھر معقول طور پر سعی و کوشش کرنے سے مل بھی سکتا ہے ؎

	ڈھونڈھتا ہے تو کدھر یار کو میرے لے ماہ منزلش در دل ماہست لب بام نہین	

غور کیجئے تو ہر ایک شے کی دو قیمتین ہوتی ہین ایک اصلی دوسری فرضی مثلاً ہزار روپیہ کا نوٹ ہے۔ اُسکی اصلی قیمت تو وہی کاغذ کے پرزہ کی قیمت ہے کیونکہ کاغذ ہی نوٹ کی اصل ہے۔ مگر فرضی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے علی ہذا ایک طلائی مورت یا حسین جسم کی اصلی قیمت اسقدر مٹی کی قیمت کے برابر ہے جو اُنکی ساخت مین صرف ہوئی ہے۔ کیونکہ وہی مٹی اُنکی اصل ہے مگر سونے کی فرضی قیمت مٹی کی قیمت سے بدرجہا زیادہ ہے اور حسین جسم کی فرضی قیمت کا تو کچھ اندازہ ہی نہین ہو سکتا۔ گاہک کے دلی شوق اور میلان طبع پر موقوف ہے ؎

ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ		نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز	

ہان تو اس بیان سے ہماری غرض یہ ہے کہ طالب حق کو اشیا کی اصلی قیمت مدنظر رکھنی چاہیئے کیونکہ اُسکا مقصد بڑا حصول حق یعنی اصل کل تو ضرور ہے کہ اصلی قیمت کی جانچ مین دھوکا نہ کھائے گو بظاہر معاملات دنیا مین فرضی قیمت سے کام ہے۔ اکثر آدمی فرضی کو اصلی قیمت سمجھکر فریب مین آجاتے اور سخت خسارہ اُٹھاتے ہین

دو غلطیان نہایت عام ہیں ایک یہ کہ ہے کچھ اور سمجھتے ہین کچھ دوم یہ کہ ہے کہین اور تلاش کرتے ہیں کہین ×ڈیوی جی کا مندر پہلی غلطی کی مثال ہے اور آنند کنڈ دوسری کی اور یہ غلطیان اُسوقت تک باقی رہتی ہین جب تک کہ انسان نام اور روپ کے جال میں پھنس رہا ہے۔ البتہ جو اس جال سے نکل گیا تو پھر کام کرودھ لوبھ موہ سے اُسکا دل پاک ہوجاتا ہے اور روح سے محبت صادق کا چشمہ ابلنے لگتا ہے تب انسان قابل عنایت ایزدی ہوتا ہے ؎

کہیں کو مرتکا کرما نی تلسی چھوٹ گئے بھرم دوئی	کام برت بینڈ بھیا ی کریا پاتر رگھنا یک سوئی

فصل ہفتم

مسئلہ جبر و قدر

ایک بار سوامی جی مہاراج کی خدمت میں مین نے عرض کیا کہ ایک شعر ہے ؎

چلا تھا کعبہ کی سمت کو مین تو میکدے مین ہوا گزارا
کھلا یہ اُسوقت راز مجکو کسی کے بین اختیار مین ہون

مضمون شعر سے ظاہر ہے کہ اُسکا قائل جبری ہے مگر بعض کا مشرب اسکے خلاف ہے

× نوٹ۔ یہی ماما کا سروپ ہے

وہ انسان کو اپنے افعال مین مختار سمجھتے ہین اور وہ قدری کہلاتے ہین سو مہاراج اِس جبر و قدر کے مسئلہ مین مجکو سخت تشویش ہے کسی طرف عقل قائم نہین ہوتی کیونکہ روزمرہ ایسی مثالین دیکھتے ہین کہ آدمی جو چاہتا ہے سو کر گذرتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی دیکھنے مین آتا ہے کہ انسان ایک کام کے لئے جی جان سے کوشش کرتا ہے اور کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھتا پھر بھی ناکام رہتا ہے۔ براہ مہربانی اِس مسئلہ کی حقیقت سمجھا دیجئے تاکہ میرے دل کی دُبدا مٹ جائے۔ سوامی جی نے فرمایا واہ! یہ تو آپ نے سب سوالون کا لگڑدادا پوچھا جسکے جواب مین زبان کہتے کہتے اور کان سنتے سنتے تھک جائین اور لکھنے بیٹھو تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائین تاہم یہی کہتے بنے کہ ہنوز دہلی دور۔ سنو جی یہ مسئلہ ٹھیک ٹھیک تو اُسوقت حل ہوتا ہے جبکہ انسان بہت کچھ روحانی ترقی حاصل کر چکتا ہے اور اُن مقامات سے عبور کر جاتا ہے جو اِس مسئلہ کے متعلق ہین کیونکہ حواس ظاہری سے ان مقامات کا علم ہو نہین سکتا۔ لیکن مین آپکو بالکل مایوس کرنا بھی نہین چاہتا اسلئے مختصر طور پر حکمائے متقدمین کی رائے بیان کرتا ہون جس سے اِس مسئلہ کی نسبت کچھ اجمالی واقفیت آپکو ہو جائیگی اور وہ تحقیقات آیندہ مین مدد دیگی۔

مہاپرلے کا وقت ہے وشنو جی مہاراج شیش جی کو بستر بنائے سو رہے ہین اور لچھمن جی اُنکے پاؤن دبا رہے ہین۔ اِسکے یہ معنی ہین کہ صرف ایک ذات واحد باقی ہے۔ کل عالم اُس مین فنا ہو گیا ہے۔ اور وہ قوت جو کل کائنات کو چلا رہی تھی مہاراج کی خدمت مین حاضر ہے لچھمن جی یعنی مایا جو سنسار کی موجد ہے اِسوقت اپنے کارن مین لے ہو گئی ہے۔ نہ زمین ہے نہ آسمان۔ نہ عالم ہے نہ مخلوقات۔ نہ دن ہے نہ رات۔ نہ چاند ہے نہ سورج۔ نہ بہشت ہے نہ دوزخ۔ نہ عالم ہے نہ معلوم

صرف ذات واحد موجود ہے جو اپنے کل ظہور کو اپنے آپ مین محو کیے ہوے ہے اُسوقت کی کیفیت کی ادراک سے تخیل و تصور قیاس وگمان عاجز ہے ع ۔ نہ وہان حواس پہونچین نہ خرد کو ہے رسائی + ویدون مین اِس ذات کو نیتی نیتی (یہ نہین یہ نہین) الفاظ نفی سے تعبیر کیا ہے نہ الفاظ اثبات سے ؎

زلا مگز ر اگر اسرار بینی		تو ار لا نقطہ و بر کار بینی	

ہان اتنا ضرور سمجھ مین آتا ہے کہ آخر کار اس عالم کا کوئی آدھار یعنی سہارا ضرور ہی جہان سے وہ مثل امواج دریا وقتاً فوقتاً ظہور مین آتا ہے پس وہی ایک ذات واحد ہے محیط کل ازلی وابدی ۔ ہر قسم کے تعینات سے مبرا ۔ اُسی کو ویدانت مین پرم برہم اور تصوف مین ذاتِ بحت کہا گیا ہے ۔ جب ظہور کا وقت آتا ہے تو اس مین ایک مرکز قائم ہوتا ہے جسکو سگُن برہم کہتے ہیں ۔ کیونکہ وہ ست چت آنند کے گن یعنی صفات مین متجلی ہوکر اپنی قوت ارادی سے تمام عالم کو پیدا کرتا ہے ۔ اُسی کو ایشر کہتے ہین جو کہ عالم کو پیدا کرنے کے لحاظ سے برمھا اور اُسکو قائم رکھنے کے لحاظ سے وِشنو اور اُسکو فنا کرنے کے لحاظ سے شیو کے نام سے پکارا جاتا ہے سگن برہم کے ظہور کے ساتھ ہی پرکرتی یعنی مادہ لطیف کا ظہور ہوتا ہے ۔ جو کچھ اِس عالم مین ہونے والا ہے اُسکا نقشہ اول برھما تجویز کرتا ہے پھر اُسکے منشا کے مطابق اُسکی چیتن شکتی کل عالم کو پیدا کرتی ہے اِس طور سے کہ اول وہ پرکرتی کو تحریک دیکر سات طبقون مین منقسم کرتی ہے ۔ پھر اُمین انواع واقسام کی مخلوق پیدا کرتی ہے ۔ جو درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوئی طبقات ادنیٰ سے طبقات اعلیٰ کو عروج کرتی ہے ۔ ایجاد عالم سے ایشر کا منشا یہ ہے کہ مین ایک ہون انیک ہو جاؤن یعنی مثل میرے تینون صفات مین کامل مخلوق اِس

عالم میں سے برآمد ہوکر سرور سرمدی سے فیض یاب ہو ۵

خود را نہ تکلف دگرے ساختہ ام ... تاشا دکنم آن دگرے راکہ منم

چنانچہ ارادہ الٰہی کے مواقف کل مخلوقات ترقی کرتی ہوئی اس سدرشن کے میلہ میں اپنے مرجع اصلی کی طرف چلی جارہی ہے ۵

از جہانِ زندہ اول آمدیم ... باز از پستی سوئے بالا شدیم
جملہ اجزا در تحرک در سکون ... ناطقان کانا الیہ راجعون

اس غرض سے کہ جبین شکنی میں تعین پیدا ہوجائے اُسکو جسم کے ساتھ وابستہ کردیا ہے چنانچہ روح وجسم کے اجتماع سے ایک انانیت یا خودی پیدا ہوتی ہے - اور یہ خودی روح کو قید جسمانی مین پھنسا کر اس عالم کا تماشا دکھاتی ہے جب وہ اس تماشے سے سیر ہوجاتی ہے تو بذریعہ ترک وتجرید اس قید سے رہائی حاصل کرتی ہے تب خودی دور ہوکر اُس مین انانیت اعلیٰ ظہور کرتی ہے جو کسی وقت انا الحق کا نعرہ مارتی ہے

از تفکر کشف کے شد آن انا ... آن انا مکشوف شد بعد از فنا
آن انائے نے کہ عقلش فہم کرد ... فہم آن موقوف شد برمرگ فرد
گشتہ دریائے دوئی در عین وصل ... شد زسود رسے سوئی در عین وصل
بلکہ وحدت گشتہ اورا در وصال ... شد خطاب او خطاب ذوالجلال
بعد ازان گوید حقم منصور وار ... تا شود بردار شہرت او سوار
تا چنین سر در جہان ظاہر شود ... مقبل اندر جستجو ماہر شود

پس جسم کے ساتھ پیچیدگی یعنی خودی دور ہوکر روح مین انانیت اعلیٰ قائم ہونا ہی منشا ہے کارساز حقیقی کا خلقت انسان سے اسلئے جو خودی دور کرتا ہے وہ اپنے خالق کے

ارادہ کو پورا کرتا اور اپنی سرشت کا منشا انجام دیتا ہے اور بقائے دوام حاصل کرکے سرور سرمدی کا حظ اُٹھاتا ہے۔ اور جو شخص اسکے خلاف کرتا ہے وہ اپنے تئین عذاب الیم کا سزاوار بناتا ہے اور آخر کار اُسکو بھی وہی کرنا پڑتا ہے جو اُسکی سرشت کی علت غائی ہے ؎

انچہ دانا کند کند نادان		لیک بعد از ہزار رسوائی	

منشائے الٰہی کے مطابق کام کرنا دھرم کہلاتا ہے اور اُسکے خلاف ادھرم۔ دھرم کے وسیلہ سے انسان طبقات اعلیٰ کی طرف عروج کرتا ہے اور ادھرم سے اسفل کی طرف نزول پس دھرم و ادھرم کو بخوبی سمجھنا اور اُسپر عمل کرنا لازم ہے کیونکہ روحانی ترقی و تنزل اسی پر موقوف ہے۔ اسکے بعد دو مسئلے کرم اور آواگون کے بھی جاننے چاہئین کیونکہ اُنکے سمجھے بغیر انسان بہت غلطی کرتا اور مسئلہ جبر و قدر کو ہرگز نہین سمجھ سکتا۔ مگر اِن مسائل کے بیان سے پہلے یہ بات قابل غور ہے کہ تمام طبقات عالم لطیف ہون یا کثیف قوانین قدرت سے منضبط ہین۔ کوئی کارروائی خلاف ضابطہ نہین پائی جاتی۔ عالم مادّی کی تحقیقات سے ظاہر ہے کہ اس عالم کثیف کا ہر ذرہ پابند ضوابط ہے اگر ہم کو کوئی امر خلاف ضابطہ معلوم ہو تو وہ ہماری لاعلمی ہے۔ اسیطرح طبقات اعلیٰ مین بھی سمجھنا چاہیے۔ دوم یہ کہ قوانین قدرت اٹل ہین کبھی تبدیل نہین ہوتے کیونکہ وہ اُس عقل کل سے نافذ ہوئے ہین جو تغیر و تبدل سے مبرا ہے۔ اِن دو اصول کے سمجھ لینے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جسقدر انسان کو ان قوانین استمراری سے زیادہ واقفیت ہوگی اُسی قدر وہ اپنے تئین محفوظ کر سکیگا اور روحانی ترقی کرکے اپنی سرشت کا منشا انجام دینے مین کامیاب ہوگا۔

مسئلہ کرم

کرم کے معنی ہین فعل مگر برہم ودیا یعنی علم الٰہیات کی اصطلاح مین اس لفظ سے علت و

معلول کا سلسلہ مراد ہوتا ہے۔ یہ قانون قدرت کل واقعات عالم اور انسان کے ظاہری و باطنی اعمال پر حاوی ہے۔ یہ عالمگیر آئین ایسا محیط ہے کہ ایک ذرۂ عالم بھی اوسکے تصرف سے باہر نہیں جاسکتا۔ یہ قانون اوس عدل مطلق پر مبنی ہے جسکو سفارش یا خوشامد یا رشوت اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی تمام عالم کی آفرینش اسی قانون کے مطابق ہوئی ہی اور انسان کے ظاہری و باطنی اعمال کے نتایج اسی قانون کے بموجب عمل مین آتے ہین یہان ہم اس قانون کا صرف وہ حصہ بیان کرین گے جو انسان سے متعلق ہے کیونکہ کل مضمون کرم تو ایسا وسیع ہے کہ اوسکی تشریح کو دفتر چاہیئے

ہم اس عالم مین حالات انسان کے اندر غایت درجہ کا اختلاف پاتے ہین۔ ایک ذہین ہے تو دوسرا غبی۔ ایک امیر ہے تو دوسرا غریب ایک خوش ہے تو دوسرا مغموم ایک نیک ہے تو دوسرا بد۔ ایک تندرست ہے تو دوسرا بیمار ایک عالم ہے تو دوسرا جاہل وغیرہ وغیرہ اس اختلاف کی کوئی وجہ ہونی چاہیئے کیونکہ معلول بلا علت ہو نہین سکتا سو وجوہات جو بیان کی جاتی ہین وہ بھی مختلف ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے کہ خدا کی مرضی جیسا چاہا ویسا کیا۔ وہ قادر مطلق ہے کسی قاعدہ ضابطہ کا پابند نہیں لیکن اسکی کچھ وجہ بیان نہین کی جاتی کہ ایک شخص کو وہ کیون اچھی حالت میں پیدا کرتا ہے اور دوسرے کو بلا وجہ کیون مصیبت میں ڈالتا ہے۔ یہ اوسکے انصاف اور اوسکی حق پسندی کے خلاف ہی دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ یہ اختلاف کسی قاعدہ پر مبنی نہین بلکہ اتفاقیہ ہے۔ مگر جب ہم کل عالم کو پابند ضوابط پاتے ہیں تو یہ کس طرح مان لین کہ حالات انسان کسی قاعدہ ضابطہ پر مبنی نہین۔ اصل یہ ہے کہ

از مکافات عمل غافل مشو	گندم از گندم بروید جو ز جو

جو کوئی جیسے اعمال کرتا ہے ویسے ہی نتیجے پاتا ہے نیک اعمال کا بدلہ نیک اور بد کا بد ہوتا ہے لیکن بعض اوقات ہم نیکوں کو تکلیف میں اور بدون کو آسایش میں دیکھکر اس کلیہ کی نسبت شبہہ مین پڑجاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری نظر دور بین نہین ہے جو بیج آج بویا جاتا ہے وہ آج ہی نہیں اوگتا بلکہ مدتہاے مدید کے بعد جب اسکو آب وہوا موافق ملتی ہے پھوٹ نکلتا ہے اسیطرح نتیجۂ اعمال موافقت حالات پر موقوف ہے حال کے اعمال نیک یا بد گذشتہ اعمال کے نتایج کو دور نہین کر سکتے۔ ہاں ان کا نتیجہ ضرور ملیگا جب کہ حالات نتیجہ کے موزون وموافق اور مددگار ہونگے خواہ اس زندگی مین ہوں خواہ کسی آیندہ زندگی مین بہرحال اعمال کے نتیجون سے انسان کسی طرح بچ نہین سکتا۔

کرم دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو مانسک جو صرف من سے کئے جاتے ہین یعنی افعال قلوب دوسرے شاریرک جو تن بدن دونون سے کیے جاتے ہین شاریرک کرم کے دو جز ہوتے ہیں ایک تو فعل جسمانی جو جسم کے کسی حصہ سے سرزد ہوا دوم نیت یا ارادہ جسکی وجہ سے وہ فعل کیا گیا۔ جسمانی فعل کی نیکی یا بدی اسپر موقوف ہے کہ اس سے کسی کو نفع یا نقصان پہونچے۔ نیت کی نیکی یا بدی اسپر موقوف ہے کہ اس مین دوسرون کی غرض ملحوظ تھی یا خود غرضی پس کل شاریرک کرم بلحاظ نیت وفعل چار قسم کے ہوتے ہین اول وہ جن مین نیت وفعل دونون نیک ہین دوم وہ جن مین نیت نیک ہے اور فعل بد سوم وہ جن مین نیت بد ہے اور فعل نیک چہارم وہ جن مین نیت وفعل دونون بد ہیں۔ اول قسم کے کرم ان نیک دل انسانون سے ظہور میں آتے ہین جنکا علم وعقل بوجہ صفائی قلب بہت صحیح ہوتا ہے ایسے نیک نفس لوگوں سے نوع انسان کو بہت نفع پہونچتا ہے اور وہ اکثر اپنے ہم جنسون کی تہذیب

وتعلیم اور سوددہی میں مصروف رہتے ہین۔ دوسری قسم کے کرم اُن انسانون سے سرزد ہوتے ہیں جنکی نیت تو نیک ہے مگر بوجہ کم علمی فعل بد کے مرتکب ہوتے ہین مثلاً مذہبی تعصب سے ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو صدہا قسم کے آزار پہونچاتا ہے تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسقدر ظلم وخونریزی اس جہالت کی وجہ سے عمل مین آئی ہے۔ متعصب آدمی یہ سمجھتے ہین کہ دیگر مذاہب کے انسان کافر ہین لہذا واجب القتل ہین زیادہ جینے سے زیادہ گناہوں کے مرتکب ہونگے پس قتل سے اُنکا بھی نفع ہے اور دینداروں کو بھی عبرت۔ لیکن جب کافر اُنکا مذہب اختیار کرلیتے ہین تو وہ اُنکے ساتھ برادرانہ برتاؤ کرنے لگتے ہین کیونکہ اُنسے خصومت تو تھی ہی نہین صرف اُن کی نفع رسانی مدنظر تھی۔ تیسری قسم کے کرم وہ شخص کرتے ہین جو بظاہر تو دوسرون کو نفع پہونچاتے ہین مگر اپنی ذاتی غرض اس مین پوشیدہ رکھتے ہین۔ اکثر دیندار بھی اور دنیادار بھی خیر خیرات کے ذریعہ سے صدہا آدمیون کو فائدہ پہونچاتے ہیں مگر دلی منشا اظہار دینداری اور حصول شہرت ونیکنامی کے سوا کچھ نہین ہوتا۔ چوتھی قسم کے کرم نہایت رزیل اور بدنہاد آدمیون سے سرزد ہوتے ہین جو محض اپنی اغراض نفسانی کے لئے لوگون کو مضرت واذیت پہونچاتے ہین ریاست وسلطنت کے لئے بیٹا باپ کو باپ بیٹے کو بھائی بھائی کو ہلاک کرتا ہے سجادہ نشینی کی طمع سے چیلے گرو کو مار ڈالتے ہین۔ دولت کی غرض سے ہزارون خونریزیان ہوتی ہین الحاصل جو اشخاص بلاغرض اورون کو نفع پہونچاتے ہین وہ فرشتے ہین۔ جو اپنی غرض کے لئے دوسرونکا بھلا کرتے ہین وہ انسان ہین جو اپنی غرض کے لئے دوسرون کو ضرر پہونچاتے ہین وہ بہائم ہین۔ جو بلاغرض دوسرون کو ضرر پہونچاتے ہین وہ شیطان ہیں۔ تو اب

انسان کو فرشتہ ہو بننے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ شیطان ہونے کی چونکہ ہمکو علم کل نہین اسواسطے ہمارے افعال جسمانی مین غلطی کا ہوجانا ممکن ہے لیکن نیت ہمارے اختیار مین ہے اسکو ہمیشہ نیک و پاک رکھنا چاہیئے۔ اگر نیت نیک ہوگی تو علم صحیح بوجہ صفائی قلب آخرکار ہمکو حاصل ہوجائیگا۔ نیت کی بدی قلب کو سیاہ کردیتی ہے پھر اُس مین علم صحیح کے قبول کرنے کی قابلیت ہی نہیں رہتی۔

انسان کی جسمانی حالت نتیجہ ہے اُسکے گذشتہ افعال جسمانی کا۔ اگر نیک تھی تو راحت ہے۔ بد تھی تو تکلیف ہے۔ یعنی اُسنے جسقدر دوسرون کو جسمانی دکھ یا سکھ پہونچایا تھا اُسی قدر اُسکو جسمانی دکھ یا سُکھ پہونچ رہا ہے مثلاً کسی نے خیرات کے ذریعہ سے بہت سے انسانون کو آرام پہونچایا ہے گو اُسکی نیت کیسی ہی ہو تو اُسکے بدلہ میں اُسکو بھی آرام پہونچتا ہے وہ این قدرت جو انصاف پر مبنی ہین اُسکو اُسکے قرضہ یا فنتنی سے محروم نہین کرسکتی نیت کا نتیجہ نیک طنتی یا بدطینتی ہوتا ہے۔ پس انسان جو افعال بذریعہ قلب کرتا ہے اسکا نتیجہ بذریعہ قلب اور جو بذریعہ جسم کرتا ہے اسکا نتیجہ بذریعہ جسم پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اِس عالم مین عجیب کیفیت دیکھتے ہین۔ بہت سے خوش حال آدمی ہین جنکو طرح طرح کی آسایش جسمانی حاصل ہے مگر اُنکے دل حسد و بغض وغیرہ سے ایسے خراب ہورہے ہیں کہ اُن کی زندگی تلخ ہے۔ برخلاف اسکے بہتیرے ایسے ہین کہ جسمانی راحتون کی طرف سے تو بالکل ٹوٹے مین ہین مگر اُنکے دل پاک صاف ہیں اور وہ اپنی کھال مین مست اور جھرٹے مین مگن ہین۔

انسان کے تمام افعال مین کچھ نہ کچھ تعلق خودی کا رہتا ہے اسلیئے اِس کی سزا و جزا بالے کا بھی مستحق ہوتا ہے۔ کیونکہ خودی ہے تو خواہش بھی ضرور ہوگی اور خواہش ہی

فعل کو نتیجہ سے وابستہ کرتی ہے۔ گویا خواہش ایک رسی ہی کرم اور پھل کی باندھنے والی اسی واسطے بھگوت گیتا میں لکھا ہے کہ جس شخص کو کرم بندھن سے چھوٹنا منظور ہو وہ نشکام کرم کرے یعنی اپنے کل فرائض بلا خواہش ذاتی ادا کرے۔ کیونکہ جب خواہش کی رسی ٹوٹ جاتی ہے تو کرم سے اُسکے نتیجے جدا ہو جاتے ہیں اور انسان کرم بندھن سے چھوٹ جاتا ہے۔ بعض صاحبوں کا یہ خیال ہے کہ کرم کے تیاگ یعنی ترک سے انسان کرم بندھن سے چھٹ جاتا ہے مگر یہ اُن کی خام خیالی ہے۔ اول تو کل کرم چھوٹ ہی نہیں سکتے دوسرے کرم میں جو خودی کا تعلق ہے اس سے کرم بندھن ہوتا ہے نہ کہ محض کرم سے اسلئے کرم بندھن کرم ہی سے چھوٹتا ہے۔ نہ کرم کے تیاگ سے۔

اس تقریر کو سنکر مین نے سوامی جی سے سوال کیا کہ جب فعل ہو چکا اور اُسکو ہوئے ایک مدت گزر چکی اور وہ خواہش بھی جسکی وجہ سے فعل کیا گیا تھا دور ہو گئی تو وہ فعل اب یا آیندہ نتیجہ کیونکر پیدا کریگا۔ جب اُسکا وجود ہی نہ رہا تو نتیجہ کیسا؟ اسپر سوامی جی نے فرمایا نہین نہین افعال معدوم نہین ہوتے۔ بلکہ ہر شخص کے گرد ایک تیجس یعنی نور لطیف رہتا ہے جسکو بعضے مقناطیسی بھی کہتے ہین۔ نیک و بد خیالات و افعال سے اِس تیجس کی رنگت میں ہر لحظہ تبدیلیان ہوتی رہتی ہین ستو گنی خیالات و افعال دھرم۔ ویراگ محبت۔ ہمدردی وغیرہ سے وہ سنہری روشن اور نہایت خوش رنگ ہو جاتا ہے۔ رجو گنی خیالات و افعال مثلاً طمع۔ غصہ۔ حسد۔ بغض وغیرہ سے وہ سُرخ ہو جاتا ہے۔ تمو گنی خیالات و افعال جیسے شرابخواری تکبر۔ تعصب۔ خوف وغیرہ سے وہ سیاہ ہو جاتا ہے اسی طرح مختلف خیالات و خواہشات کی تیزی و ملایمت کے لحاظ سے صدہا قسم کے درمیانی رنگ اُس مین پیدا ہو جاتے ہین۔ یہ تیجس ہمیشہ انسان کے ساتھ

رہتا ہے اور وہ ایسے لطیف مادہ کا ہوتا ہے کہ حواس کثیف سے محسوس نہین ہوتا بلکہ حواس لطیف ہی اُسکو معلوم کرسکتے ہین جس کی چشم بصیرت کھل گئی ہے وہ انسان کو دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ اُسکے خیالات وافعال کیسے ہیں - وہ روحانی ترقی یا تنزل کے کس درجہ میں ہے اور کونسا گن اُس مین ترقی پر ہے پس انسان کے خیالات وافعال کا رجسٹر ہمیشہ اُسکے ساتھ رہتا ہے یہ ہی دھرم راج کا دفتر ہے - اسی کا نام نامۂ اعمال ہے - اسی کے مطابق افعال کے نتائج ہوتے ہین یاں تو افعال کی مناسبت سے جو رنگ تیجس مین موجود ہے وہ دور نہیں ہوتا تاوقتیکہ اعمال کے نتائج قوانین کرم کے مطابق مل چکیں - جب انسان نے اپنے افعال کا نتیجہ یعنی دکھ سکھ بھگت لیا تو وہ رنگ بھی تیجس مین سے دور ہوجاتا ہے - پس انسان کیسا ہی بدحال و بداعمال ہو نتیجہ بھگتنے کے بعد وہ پاک ہوجاتا ہے اور نیک افعال و روحانی ترقی کی قابلیت اُس مین آجاتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے آیندہ افعال سے اپنے تیجس کو خراب نہ کرے - یہ تیجس انسان کی روحانی ترقی مین مددگار بھی ہوتا ہے اور سدراہ بھی کیونکہ جیسی جیسی رنگتین اچھی یا بُری اِس تیجس مین بدلتی ہیں ویسے ہی آدمی کے خیالات اور دل و دماغ و جسم وغیرہ تبدیل ہوجاتے ہیں یہ تیجس نہ صرف اپنے مالک ہی کی ترقی یا تنزل کا مددگار ہوتا ہے بلکہ اُسکے عزیز و اقارب پر اور اُسکے دوست احباب پر بھی اپنا اثر ڈالتا ہے - پس ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنے افعال و خیالات کی اصلاح پر متوجہ رہے اسی پر خود اُسکی اور نیز اُسکے خویش و اقارب کی اور اُسکے احباب و اصحاب کی ترقی منحصر ہے سادھو مہاتماؤن کے ست سنگ سے جو فیض و فائدہ انسان کو پہونچتا ہے وہ صرف اُنکے اپدیش یا اُن کی تعلیم پر ہی محدود نہین بلکہ اُنکے ہمنشینوں پر اُنکے پاک و خوش رنگ

تیجس کی تاثیر ایسی پڑتی ہے کہ اُنکے دل بھی نیک و پاک ہو جاتے ہین ؎

آنکہ پاکیزہ دل ست ار بہ نشیند خاموش   ہمہ از سیرت صافیش نصیحت شنوند

اندرین یم ماہیان پرفند   ماررا از سحر ماہی می کنند
گر تو ماری شو قرین ماہیاں   تا شوی چون ماہیان دریم روان
ار طلال غالسان غالب شوی   ور جوار طالبان طالب شوی
یک زمانے صحبتے با اولیا   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

لہذا است سنگ کی عظمت ہر مذہب مین بیان کی گئی ہے ؎

سگ اصحاب کہف روزے چند   پے نیکان گرفت و مردم شد

اور جس طرح صحبت نیک کا نتیجہ نیک ہوتا ہے اُسی طرح صحبت بد کا اثر بد ہوتا ہے ؎

ہر کہ با دونان نشیند ہمچو دوناں دون شود   ہر کہ با اہلان نشیند عقل او افزون شود
اسپ را با خر بہ بندی مدتے یک جا بہم   رنگ شان ہمگون نگردد خوی شان ہمگون شود

پس آدمی کو چاہئے کہ صحبت بد سے پرہیز کرے اسکے یہ معنی نہین ہین کہ بدون سے محبت و ہمدردی نہ کرو۔ بیشک از راہ ترحم و غمخواری اس زبون حالت سے نکلنے مین اُنکی مدد کرو پند و نصائح کے ذریعہ سے اُنکو راہ راست پر لانے کی کوشش کرو مگر جب تک وہ اپنے اطوار بد سے باز نہ آئیں اُن کی صحبت سے کنارہ کشی ہی اولی ہے۔ یہ خیال کہ ہم پاک ہین ناقصون کے قرب سے ہماری پاکیزگی مین خلل آجائے گا۔ انسان کی روحانی ترقی مین بہت مانع ہوتا ہے۔ اگر ہمارا بھائی یا بیٹا بدراہ ہو تو کیا ہم یہ کوشش نہین کرتے کہ وہ کسی طرح راہ پر آئے اور سنور جائے۔ بس ایسا ہی برادرانہ برتاو ہر فرد بشر کے ساتھ ہونا چاہئے۔

بنی آدم اعضاے یک دیگر اند	کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار	دگر عضو ہا را نماند قرار

ہمکو ایسی پاکیزگی اتنی بڑھانی چاہیئے کہ ہمارے پاک تجس کا اثر اوروں کی ناقص تجس پر غالب رہے کیونکہ زبردست ہمیشہ کمزور کو دبا لیتا ہے۔ چنانچہ ناقص آدمی جب کسی سادھو مہاتما کی خدمت میں جاتے ہیں تو اُنکے خیالات پر ایک عمدہ اثر پڑتا ہی یہ قاعدہ ہے کہ جس شخص مین جو خیال زبردست ہوگا اُسکی تاثیر دوسرون کو بھی ضرور محسوس ہوگی مثلاً کسی سادھو کے پاس جانے سے دل مین بھکتی یا ویراگ معلوم ہو تو سمجھ لو کہ اسمیں اسی خیال کی زیادتی ہے ہم کو اپنے خیالات اس درجہ پاک و پاک بنانے چاہئیں کہ دوسرون کو ہمارے پاس آتے ہی نفع محسوس ہو اور اُنکے ناقص خیالات بدلجائیں۔ بھوت پریت وغیرہ کسی شخص پر آنے ہون تو پاک روحانی شخصون کے آتے ہی وہ بھاگ جاتے ہین۔ اسی طرح ناقص خیالات کے بھوت پاک دل آدمیون کے فیضان صحبت سے کافور ہو جاتے ہیں۔ پس لوگون مین جو افعال و خیالات ناقص پائے جاتے ہین وہ اصل مین ہمارا ہی قصور ہے اگر ہمارے خیالات پاکیزگی مین کامل ہوں تو ممکن نہین کہ ہمارے متعلقین و مقربین و اصحاب و احباب کے خیالات ناقص رہ سکیں۔

یہ جو افعال ظاہری ہیں حقیقت مین یہ خیالات باطنی کے خول ہین۔ اس لئے اول خیالات کی اصلاح کرنی چاہیئے وہ ٹھیک ہوجائین تو افعال خود ٹھیک ہو جاتے ہین۔ چونکہ ہماری اور نیز ہمارے ہمجنسون کی روحانی ترقی محض ہمارے خیالات کی پاکیزگی و صفائی پر موقوف ہے اسلئے ہمکو چاہیئے کہ خود غرضی کے خیالات کو دور کرکے دوسرون کی نفع رسانی مین مشغول رہیں اور خیالات نیک کے ذریعہ سے اپنے آپکو

ایسا نیک و پاک بنائیں کہ ہمارے بنی نوع بھی مثل ہمارے پاک دل ہوجائیں۔کچھ شک نہیں کہ ایک سچے سادھو سے تمام ملک کو نفع پہونچتا ہے کیونکہ اُسکے پاک و منور تیجس کا اثر ملک بھر میں پھیلتا ہے تیجس کے اثر کی وسعت اُسکی پاکیزگی و صفائی پر موقوف ہے اگر وہ بالکل پاک صاف ہے تو وہ ایسا تیرتھ ہے جسکے پاس پہونچتے ہی انسانون کے دل نیک و پاک ہوجاتے ہین بلکہ خود تیرتھ بھی اُسکی برکت سے مقدس و مشرف ہوجاتے ہین۔مال و دولت کے ذریعہ سے ہم اپنے تیجس کو صرف جسمانی امداد پہونچا سکتے ہین نہ کہ روحانی اسلئے جو شخص بنی نوع کا سچا دوست و مددگار بننا چاہے اُسکو اپنا تیجس پاک و منور بنانا چاہئے تاکہ روحانی مدد پہونچا سکے۔کاملین کا تیجس ایسا خوش رنگ و منور ہوتا ہے کہ بغیر مشاہدہ کے اُسکا وصف سمجھ مین نہیں آسکتا دیوتاؤن کی تصویرین تو تم نے دیکھی ہونگی وہ جو سر کے گرد ایک نورانی حلقہ سا رہتا ہے بس وہ تیجس ہی کا نشان ہے سر کے گرد کا تیجس دیگر اعضا کی نسبت زیادہ روشن ہوتا ہے اور جب چشم بصیرت کھلتی ہے تو پہلے یہ ہی حلقہ نظر آتا ہے ○

نور او در یمن و یسر و تحت و فوق — بر سر و بر گردنم مانند طوق

جب تک انسان کے دل مین مختلف خواہشین باقی رہتی ہین اُسوقت تک تیجس مین بھی مختلف رنگ رہتے ہین۔مگر جہان خودی مٹی اور خواہشون سے دل پاک ہوا پھر تو یہ تیجس یک رنگ منور طلائی ہوجاتا ہے ○

در درون خود بیفزا درد را — تا ببینی سبز و سرخ و زرد را
رنگہا بینی بر این رنگہا — گوہران بینی بجائے سنگہا
شیشہ ہائے رنگ رنگ آن نور را — می نماید این چنین رنگین بما

جون نماند تیستھائے رنگ رنگ		لور بے رنگت کہدانگاہ د نگ		

بال اوسھا بہو رنگ پُھری بک رنگ ناہ سہائی حوبن پائے بک رنگ پُھری تہی پیا سنگ حائی	

اس موقع پر مین نے سوامی جی سے سوال کیاکہ اگر قانون کرم ایسا سخت ہے کہ انسان نتائج اعمال سے کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا اور سفارش یامنت وزاری اس قانون کو توڑ یا موڑ نہیں سکتی تومعافی گناہ کے کچھ معنی نہ رہے دعابھی نکمی توبھی بیکار۔ حالانکہ دعا و توبہ کو ہرمذہب ذریعہ مغفرت سمجھتا ہے ذرا عنایت کرکے یہ مضمون مجکو سمجھادیجئے۔ سوامی جی نے فرمایا

अवश्यमेवभोक्तव्यं कृतंकर्मशुभाशुभम् ॥

یہ کرم کانڈ کا مسئلۂ مسلمہ ہے اسکے یہ معنی ہین کہ جو افعال نیک و بد انسان نے کیے ہیں اُنکے نتائج ضرور بھُوگنے ہونگے اُنسے کسی طرح بچ نہین سکتا۔ اور جو افعال نہین کئے اُنکے نتائج اُسکو مِل نہین سکتے۔ اور نتائج مین کمی بیشی بھی نہیں ہو سکتی۔ بس یہ مسئلہ اسی طور پر قابل تسلیم وتسلیں اور لائق عمل درآمد ہو سکتا ہے نہ کسی اور طرح پر کیونکہ انسان قانون ہی کے ذریعہ سے ترقی کرسکتا ہے۔ اور قانون کی حمایت اور قانون کی پابندی سے بلاخوف وخطر زندگی بسر کرسکتا ہے جیساکہ تعلیم یافتہ ملکون مین دیکھا جاتا ہے نہ غیر آئینی ملکون مین جہان ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ دیکھیے کیا پیش آجائے بس جہان بذریعہ سفارش وغیرہ معافی کی امید ہے وہان ظلم کا بھی خوف ضرور ہے۔ اگر ایک کے ساتھ رعایت ہے تو دوسرے کے ساتھ کیون نہین۔ اگر یہ کہاجائے کہ حالات مخصوص مین سب کے ساتھ وہی رعایت ہے تو وہ قانون ہوگیا جس سے سب مستفید ہوسکتے ہین۔

قوانین کرم مین توبہ کے ذریعے سے معافی گناہ اور اجابت دعاؤوں کی گنجائش ہے مگر ایک خاص طور پر گناہ کے دو نتیجے ہوتے ہیں۔ ایک تکلیف جسمانی یا قلبی دوسرے دل کی کدورت جو ترقی روحانی میں سدراہ ہوتی ہے۔ پس جو شخص سچے دل سے توبہ کرتا ہے وہ اپنی گناہگاری پر افسوس کرتا ہے اور آیندہ کے لیے نیک اعمال کا ارادہ مصمم کرلیتا ہے یہی ارادہ اور آیندہ کی نیک افعال اُسکے دل کو کدورت سے پاک کرتی اور روحانی ترقی کے قابل بنا دیتی ہے۔ چنانچہ اب جو تکلیفیں اُسکو اپنے اعمال گذشتہ کے سبب سے پہونچتی ہیں اُنکو وہ صفائی قلب سے نہایت صبر و خوشی کے ساتھ برداشت کرتا ہے بخلاف ناقص انسان کے جو تھوڑی سی تکلیف کو بہت مانتا اور روتا ویلا مچاتا ہے ؎

کرم بھوگ بھوگی کٹتے گیانی مورکھ روئے		گیانی کاٹے گیان سے مورکھ کاٹے روئے

دیندار آدمی کو جب تکلیف پہونچتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے کہ پچھلا قرضہ جو واجب الادا تھا وہ بتدریج ادا ہورہا ہے بہتر ہے کہ میں اس سے جلد سبکدوش ہوجاؤن برخلاف اسکے دنیا پرست روتا چلاتا اور خدا کو الزام دیتا ہے کیونکہ اُسکے خیال مین یہ تکلیف بلا وجہ ہے غرض تکلیف تو دونوں کو برابر ہوتی ہے مگر برداشت کے لحاظ سے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پس تکلیف کو خوشی سے برداشت کرنا اور دل کی کدورت کا دور ہوجانا جو ترقی روحانی مین مانع تھی اسی کا نام معافی گناہ ہے جو بذریعہ توبہ عمل میں آتی ہے اور وہ کل نوع انسان کے واسطے ہے۔ کسی شخص یا فرقہ خاص کے لئے

ایک اور طریقہ معافی گناہ کا ہے جو اعلے درجہ کے روحانی اشخاص کے لئے مخصوص ہے وہ یہ ہے کہ نتائج اعمال مین کمی بیشی تو ممکن نہین مگر ہان بدل ممکن ہے مثلاً ہم کو سو روپیہ کا قرضہ ادا کرنا ہے تو چاہے ہم سو روپیہ نقد دین چاہے

سو روپیہ کا نوٹ یا کوئی دوسری جنس دیں جو سو روپیہ کے برابر ہے۔ یہ آستھیت یعنی کفارہ کا ہی اصول ہے مگر جو قوانین کرم سے پورے واقف ہیں وہی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں تکلیف جو گناہ کا نتیجہ ہوتی ہے اسکے دو حصہ ہوتے ہیں ایک مدت ایک شدت اگر اسکی مدت کم کر کے شدت بڑھا دی جائے تو قانون کرم میں فرق نہیں آتا کیونکہ مناسب بدل ہو جاتا ہے مثلاً دس درجہ کی تکلیف ہفتہ بھر کے لیے تھی اسکے عوض میں ستر درجہ کی تکلیف ایک دن کے لیے کر دی گئی تو نتیجہ وہی رہا۔

کرم بلحاظ زمانہ تین قسم کے ہوتے ہیں ایک سنچت دوسرے پراربدھ تیسرے اگامی۔ سنچت کرم اعمال ماضی کا ذخیرہ ہے جو بوجہ نہ پیش آنے حالات مناسب کے جوں کا توں رکھا ہوا ہے ابھی تک ہم کو اسکا نتیجہ نہیں ملا۔ اسی لئے اسکے رنگ ہمارے تخم میں موجود ہیں۔ پراربدھ وہ حصہ سنچت کرم کا ہے جسکے نتیجے ہم کو اس زندگی میں ملیں گے۔ اگامی وہ اعمال حال ہیں جنکے نتیجے آئیندہ بھگتنے ہونگے خواہ اس جنم مین خواہ کسی آئیندہ جنم مین حسب موقع ہو۔ جو شخص کرم بندھن سے چھوٹنا چاہتا ہے وہ اپنے پراربدھ کرم کو صبر و خوشی کے ساتھ برداشت کرتا ہے اور فی الحال ایسے اعمال ہی نہیں کرتا جنکا نتیجہ آئیندہ بھگتنا پڑے یعنی کرم سے خودی کا تعلق علیحدہ کر دیتا ہے اب رہے سنچت انسے رہائی کیونکر ہو؟ صرف یہی ایک صورت ہے کہ انکے نتیجے بھوگنے کا موقع جو صد ہا بلکہ ہزارہا زندگیون مین ملتا سوان کی مدت کم اور تیزی زیادہ کر کے انسان ایک ہی جنم مین انکو ختم کر لیتا اور کرم بندھن سے چھوٹ جاتا ہی مگر ایسا کرنے کو ایک تو علم درکار ہے دوسرے قوت برداشت۔ کیونکہ معمولی انسان اسکو برداشت نہین کر سکتے۔ بڑا ہی قوی دل چاہیے جو ایسی تکلیف شدید مین مستقل رہ سکے

اسی لیے جب تک انسان مین برداشت کی طاقت پیدا نہو ے محافظان علم باطن تلقین اسرار سے برہیز کرتے ہین اور یہ پرہیز محض بنظر ترحم ہے نہ بوجہ بخل۔ کیونکہ وہ تو خود متلاشی رہتے ہیں کہ جو سرور دائمی انکو حاصل ہے اس سے اور لوگ بھی فیضیاب ہوں۔ مگر قوانین قدرت جنکی بنا رحم پر ہے انکو روکتے ہن کہ جب تک خودی دور نہو لے اسوقت تک یہ پاک علم نہ دیا جاے جیسے متحرک پانی مین کامل انعکاس کی قابلیت ہیں ہوتی اسی طرح جب تک انسان کو اپنے اوپر پورا قابو اور ضبط نہین ہوتا تحمل اسرار نہین کرسکتا بہرحال ع تربیت نا اہل را چون گردگان بر گنبد ست۔ دوسرے یہ کہ جہاں صرف تصور ہی سے نتائج مطلوب پیدا ہوتے اور دعا و بد دعا تیر بہدف ہو جاتی ہو وہان ضبط کا لحاظ اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ مبادا کسی کو نقصان پہونچ جائے پس عوام الناس کے واسطے توبہ اور خواص کے لیے کفارہ معافی گناہ کے ذریعے ہین۔

دعا مین بیشک تاثیر ہوتی ہے اور فی الواقع وہ ایک ذریعہ مغفرت کا ہے۔ تصور ایک بڑی قوت ہے جو اپنے زور کے مطابق نتیجے پیدا کرسکتی ہے لکھا ہے کہ انسان جو تصور کرتا ہے وہی ہو جاتا ہے پس تصور کامل کے ذریعہ سے جو نتیجے مطلوب ہوں پیدا ہو سکتے ہین۔ ایشر اپنے تصور سے کل عالم کو پیدا کرتا ہے اور کاملیں اُس سے مقاصد مطلوب حاصل کرتے ہیں دیندار آدمی جسکو قوت تصور کا علم نہین وہ اس قوت سے دعا کے طور پر کام لیتے ہین اور سمجھتے ہین کہ ہماری دعا مقبول ہوئی حالانکہ انکا تصور جوش دینداری کی وجہ سے اتنا طاقتور ہو جاتا ہے کہ وہ نتیجہ مطلوب پیدا کرلیتا ہے۔ اصلیت کو کوئی سمجھے یا نہ سمجھے مگر قوت اپنا اثر ہر حالت مین برابر کرتی ہے آگ پر جانکر ہاتھ رکھو یا بے جانے وہ برابر جلائیگی جسکو معمولی انسان دعا کہتے ہین

عارف اسکو تصور بولتے ہین بہت کم ایسے انسان ہین جن کی دعائین موثر ہوتی ہوں
کیونکہ دعا کا اسقدر زور آور ہوناکہ پوری موثر ہو مشکل ہے جنکو قوت تصور کا پورا علم ہے
اور خودی کے مٹ جانے سے اسیر قادر ہو گئے ہین وہ اپنے تصور سے جو نتیجے چاہین
پیدا کر سکتے ہین غرض دعا بھی ایک قسم کا تصور ہے جسکے نتیجے اسکی قوت پر موقوف
ہیں اگر دعا میں اسقدر زور ہے کہ وہ گوش گزار کاملین ہو سکے یا بارگاہ عزت تک
پہونچ سکے تو وہ صرف موثر ہوتی بلکہ مقبول ہوتی ہے لیکن دعا سے گزشتہ کرمون
کے نتیجے دور نہین ہوتے نہ وہ قانون کرم مین مخل ہوتی ہے۔ عارف کا تصور کبھی
خلاف قوانین قدرت نہین ہوتا جاہل اکثر بوجہ لاعلمی ایسی دعا مانگ بیٹھتے ہین مگر
وہ مقبول نہیں ہوتی۔

انسان کو چاہئے کہ کبھی سامان دنیوی کے واسطے دعا نہ مانگے ارسطاطالیس کا
قول ہے کہ "از چیزے مخواہ کہ اورا زوال باشد" کیونکہ اس بارگاہ عالی سے ایک
ناچیز فانی کی درخواست کرنا اپنے آپ کو حقیر بنانا اور ایک عمدہ پر تاثیر قوت کو برباد کرنا
ہے۔ پس دعا مانگو تو روحانی ترقی اور اپنے محسنوں کی بہتری کی مانگو۔

دعا جو اکثر موثر و مقبول نہیں ہوتی اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارا دل جس مین بہت بڑی قوت
ارادی ہے ہزار ہا طرف منتشر ہونے سے کمزور ہوجاتا ہے اس حالت مین جو دعا کیجاتی
ہے اسکا اثر معلوم۔ جیسے ٹرا دریا ہاتھی کو بہائے جاتا ہے لیکن اسکو چھوٹی چھوٹی نہروں
اور نالیوں مین تقسیم کر دیا جائے تو پھر وہ چوہے کو بھی نہین بہا سکتا۔ جب ترک تعلقات
سے شانتی حاصل ہوجاتی ہے تو دعا نہ صرف موثر ہوتی بلکہ مقبول ہوتی ہے۔ اسلیے
انسان کو چاہئے کہ پہلے خودی کے غار تاریک سے نکلکر فقر و فنا کے میدان میں

آئے اُسوقت دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو۔ ع اجابت از در حق بہر استقبال می آید +
کی تصدیق ہوجائے ؎

آن دعائے بیخود ان خود دیگرست	آن نہ گفت اوست گفت داورست

سائل کو جب تک اتنا قرب نہو کہ اپنا سوال گوش گزار کرسکے سب تک امید قبول محض فضول ہے اور سائل و مسئول کے درمیان خودی کے سوا کوئی حجاب حائل نہیں ہے ع تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز۔ معمولی انسان جن نتائج کے لیئے دست بدعا ملتجی ہوتا ہے عارف اُن نتائج کو تصور حکیمہ سے پیدا کرسکتا ہے کیونکہ یہاں انا الحق کی وجہ سے قربانی کا معاملہ ہے۔

اِس بیان سے واضح ہے کہ قانون کرم سخت نہین ہے بلکہ کمال رحم پر مبنی ہے اگر ہم بوجہ لاعلمی اس سے فائدہ حاصل نکرین تو یہ ہمارا ہی قصور ہے قانون کرم کو سمجھ لینے اور اُسپر عمل کرنے سے انسان کو بہت نفع پہونچتا ہے اول تو اُسکے دل مین لاطائل بیم ورجا تفکر و تشویش نہیں رہتی جان لیتا ہے کہ اپنی کرنی اپنی بھرنی کوئی تکلیف یا آرام جسکا وہ مستحق نہین کسی سے نہیں پہونچ سکتا دوم مصیبت کے وقت گھبراتا نہین سمجھ لیتا ہے کہ یہ اُسی کے افعال کا نتیجہ ہے پس خوشی سے برداشت کرتا ہے اگر کسی سے تکلیف پہونچتی ہے تو اُس سے خصومت نہین کرتا جانتا ہے کہ یہ اپنے ہی کرم کا پھل ہے سوم افعال بد سے پرہیز کرتا ہے کیونکہ اُنکے نتائج کی طرف خیال رہتا ہے چہارم حسد بغض وغیرہ سے اُسکا دل پاک ہوجاتا ہے جانتا ہے کہ جیسا جسنے کیا ہے ویسا بھوگتا ہے پس اپنی قسمت پر شاکر رہتا ہے اپنے کرم پر بھروسہ کرتا ہے صبر و استقلال سے اپنے کل فرائض منصبی ادا کرتا ہے اور ہمیشہ مطمئن و خوش رہتا ہے

اکثر صاحبون کا یہ خیال ہے کہ عمر کا اخیر حصہ یعنی زمانہ پیری نیک اعمال و خدا پرستی کے لیے ہے اور عالم شباب عیش و عشرت کے لیے مخصوص ہے بقول شاعر ؎

واعظا تو بہ کی جلدی کیا ہے	یہ بھی کر لینگے جو فرصت ہوگی

یہ اُن کی محض خام خیالی ہے کیونکہ زمانہ پیری ایسا وقت ہوتا ہے کہ انسان کو دل دماغ اور جسم پر پورا پورا قابو نہین رہتا اسلیے وہ کسی مقصد کے لیے پوری کوشش بھی نہین کرسکتا۔ خودی کی بیخ کنی کے لئے بہت بڑی قوت ارادی درکار ہے جو صحت جسمانی و دماغی پر موقوف ہے اور یہ قوت عالم شباب ہی میں تر و تازہ ہوتی ہے جہاں جوانی ڈھلی یہ قوت بھی مرجھا چلی جب یہ صورت ہے تو کیونکر امید ہوسکتی ہے کہ جوانی کا لگا ہوا مرض بڑھاپے مین دور ہوجائیگا۔ اسکے سوا جس سرور کو انسان اپنی غلط فہمی سے عیش و عشرت میں تلاش کرتا ہے وہ درحقیقت نیک افعال اور خدا پرستی سے حاصل ہوتا ہے اسلیئے شروع ہی سے سیدھی راہ اختیار کیوں نہ کرے علاوہ بریں یہ اطمینان کیونکر ہوسکتا ہے کہ ہم زمانہ پیری تک پہونچ ہی جائینگے کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہین اس لئے کار امروز بفردا مگذار۔ پر عمل کرنا چاہیئے جسکو ہر دم پنجۂ اجل مین گرفتار ہوجانیکا خوف ہو اُسکو عیش و نشاط کی مہلت کہان ؎

اجل لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے ارے گھر لو در ہے او دے است لو راح	ہوش باش کہ عالم رواروی پر ہے جو جیتے جی مرن ہے تو جیے کو سے کا ن

جیسے سانپ کا پکڑا مینڈک کیڑے کھانے کا ارادہ کرتا ہے اسی طرح ہم اجل گرفتہ لذات دنیوی کے خواہشمند ہیں واہ رے انسان تیری بے پروائی کے قربان ؎

اجل ہر ہر گھڑی ہے خواب غفلت مین زمانہ ہے	چھپر کھٹ کی جگھ لازم جنازہ کا بنانا ہے

جس شخص کو پھانسی کا حکم سنا دیا گیا ہو بھلا اسکو چین کہان ۔ ممکن نہین کہ کوئی شے اسکو راحت دے سکے ۔ عدالت اعلیٰ میں اپیل کرنے کے بعد ہردم یہی کوشش رہتی ہے کہ کسی طرح یہ حکم منسوخ ہو جائے تو اطمینان ہو ۔ غور کیجیے تو ہماری بھی یہی حالت ہونی چاہیے کہ سب سے پہلے اسی بات میں کوشش کریں کہ موت کا فتوے جو ہمارے حق میں صادر ہو چکا ہے کسی طرح عدالت عالیہ سے منسوخ و مسترد ہو جائے ۔ پھر تو سرور ابدی ہمارا ورثہ ہے ہمکو اس سے کون محروم کر سکتا ہے ۵

من نور ذات حقم اے صاحب بصیرت		درصورتم اگرچہ از خاک آفریدہ	
گر زصورت نگر ید لے دوستان		جنت ست و گلستان در گلستان	

غزل

کیا کہیں عالم میں ہم انسان یا حیوان تھے	خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے
ایکدن اک استخوان پر جا پڑا میرا جو پاؤن	کیا کہیں اسوقت میرے دل میں کیا کیا دھیان تھے
پاؤن پڑتے ہی غرض اُس استخوان سے آہ کی	اور کہا ظالم کبھی ہم بھی تو صاحب جان تھے
دست و بازو سر و گردن شکم پشت و کمر	دیکھنے کو آنکھ اور سننے کی خاطر کان تھے
ابرو و بینی جبیں نقش و نگار و خال و خط	لعل مرجان و در یدسے بہتر لب و دندان تھے
رات کے سونے کو کیا کیا نرم نازک تھے پلنگ	دن کے خاطر بیٹھنے کو تخت اور ایوان تھے
لگ رہا تھا دل کہیں چھیل پر بیزادوں کیساتھ	ہم کسی سے عہد کرتے تھے کہیں پیمان تھے
گلبدن اور گلعذاروں سے کیا دن بھر	کچھ دکالی تھی ہوس کچھ اور بھی ارمان تھے
ہو رہے تھے پیپہا او مزح رہتے تھے	ساق ساغر صراحی عطر پھول و پان تھے
ایک ہی جھٹکا اجل نے آن کر ایسا دیا	نہ پرتہ ہم تھے نہ وہ سب عیش کے سامان تھے

ایسی بے رحمی سے مت رکھ پاؤں ہمارے لطیر — او میاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

مسئلہ پنر جنم یعنی تناسخ

اُپنشد میں ایک اشلوک ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی خواہشوں کے مطابق بعد مُردن اُن مقامات مین پیدا ہوتا ہے جہان وہ خواہشین پوری ہو سکیں۔ ترشنا یعنی خواہش انسان کو بار بار اس عالم میں لاتی ہے۔ کیونکہ جب تک اس عالم کی اشیا کی خواہش اور اُنکے ساتھ دل بستگی باقی ہے تب تک اِن خواہشون کے پورا کرنے کو یہان آنا ضروری ہے۔ خواہش ایک قلبی قوت ہے جو اپنی کشش سے انسان کو وہاں لیجاتی ہے جہان اُسکے پورا ہونے کا سامان مہیا ہے۔ اگر کسی شخص سے پوچھا جائے کہ تم یہاں کیوں رہتے ہو تو یقیناً وہ یہی جواب دیگا کہ یہان چند تعلقات اس قسم کے ہیں جو دوسری جگہ جانے سے روکتے ہیں۔ گو چند روز کے لئے بضرورت کاروبار یا بغرض سیر و تفریح دوسری جگہ بھی جانے کا اتفاق ہوتا ہے مگر ان تعلقات کی وجہ سے ہر پھر کے پھر اپنے ٹھکانے پر آنا پڑتا ہے اسی طرح جب تک اس عالم کے تعلقات دل مین موجود ہین اُس وقت تک انسان کو یہان آنے کی ضرورت ہوتی ہے جب کسی جگہ کے تعلقات چھوٹ کر دوسری جگہ کے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں تو آدمی مستقل طور پر وہیں جا رہتا ہے پس ہمارے تعلقات جو اس عالم کے ساتھ ہین کسی طرح چھوٹ جائین اور دوسرے عالم کے تعلقات پیدا ہو جائین تو ہم کو یہان آنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ پنر جنم کی بہت قوی دلیل یہ ہے کہ ہم انسان کے حالات جسمانی دماغی و روحانی مین پیدائشی اختلاف پاتے ہین مثلاً ایک امیر ہے تو دوسرا غریب ہے ایک تندرست ہے تو دوسرا بیمار ہے ایک ذہین ہے تو دوسرا

غنی ہے ایک نیک طینت ہے تو دوسرا بدطینت ہے وغیرہ وغیرہ - اس اختلاف کی وجہ سوا اسکے کہ گذشتہ جنم کے افعال کا نتیجہ ہو اور کیا ہو سکتی ہے - علاوہ اسکے جتنی وجوہات بیان کی جاتی ہیں وہ صحیح طور پر اس مسئلہ کو حل نہین کر سکتین - سب سے قوی اعتراض اس مسئلہ پر یہ ہے کہ اگر یہ اختلاف گذشتہ جنم کا نتیجہ ہے تو ہمکو اُن افعال گذشتہ کی یاد کیون نہین رہتی - مجرم کو اُسکے جرم کی یاداشت مین جو سزا دی جاتی ہے وہ اُسکی بہتری کی غرض سے ہوتی ہے یعنی آیندہ ایسے فعل سے پرہیز کرے لیکن جب یہ نہ معلوم ہو کہ یہ کس جرم کی سزا ہے تو ہم اُس سے کیا خاک فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور سزا کا فائدہ مفقود ہو گیا تو وہ سزا نہین بلکہ ناسزا ہے بعض کا یہ اعتراض ہے کہ سوہن لال نے کچھ افعال کیے تھے جن کی سزا موہن لال پاتا ہے یہ خوب انصاف ہے کہ کرے کوئی بھرے کوئی - ان اعتراضون کے دفع کرنے کے لئے ضرور ہے کہ کسی قدر ماہیت انسان اور عالم کی جو اُسکی جائے قیام ہے معلوم ہو ورنہ یہ مسئلہ صحیح طور پر حل نہ ہوگا

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ایشر کی چیتن شکتی مادہ کو تحریک کرکے ہفت طبق مین منقسم کرتی ہے جنکے نام یہ ہیں (۱) بھولوک (۲) بھورلوک (۳) سُورگ لوک (۴) مہرلوک (۵) جن لوک (۶) تپ لوک (۷) ست لوک - یہ ہفت طبقات عالم مختلف اقسام کے مادّون سے مرتب ہوئے ہیں چنانچہ یہ عالم ناسوت کثیف ترین مادہ سے بنا ہے عالم ملکوت اُس سے لطیف مادّہ کا ہے جبروت اُس سے بھی لطیف تر اسی طرح بتدریج ہر طبقۂ اعلیٰ کا مادہ لطیف تر ہوتا جاتا ہے اس چیتن شکتی کا ظہور پہلی پہل مادہ مین بطور مختلف قوتون کے ہوتا ہے - یہ جو معدنیات و نباتات مین انواع و اقسام کی قوتین

نظر آتی ہیں اسی جیینا شکتی کا ظہور ہے جب یہ شکتی حیوانات مین پہونچتی ہے تو اس مین جیینا کا بھی ظہور ہوتا ہے۔ انسان میں جیینا کے ساتھ آ مد کا بھی ظہور ہوتا ہے۔ مگر پورا ظہور اس شکتی کا کاملین میں ہوتا ہے جنکی معلومات روحانی قوتین اور مادہ پر اختیار و قابو معمولی انسان کے ذہن مین بھی نہیں آسکتے یہ سجید انند ایشر کی سجید انند شکتی بتدریج انسان میں اپنا ظہور کرتی ہے اور یہی اُسکو مرجع اصلی کی طرف لے جاتی اور آخر کار انا الحق کے مرتبہ پر پہونچاتی ہے۔

ان ہفت طبقات عالم کے مطابق روح انسان کے گرد سات غلاف یکے بعد دیگرے چڑھے ہوئے ہین جنکی وساطت سے وہ کل طبقات عالم مین جاسکتا اور اُنکا علم حاصل کرسکتا ہے۔ اگرچہ ان کل اجسام پر ہر انسان کو اختیار و قابو نہین ہے لیکن ترقی کرتے کرتے سب کو حاصل ہو جائیگا جب کہ سب پردوں پر قابو ہو جاتا ہے تو وہ یہیں بیٹھے بیٹھے کل طبقات عالم کی سیر کرسکتا ہے ایک پردہ اُٹھایا دوسرے میں جا داخل ہوا اس مین کچھ دیر نہیں لگتی۔ سچا یوگ وہ علم باطنی ہے جسکی بدولت انسان کو پردہائے مختلف کا علم اور اُنپر اختیار و قابو حاصل ہوتا ہے۔ اس علم کے حصول کی صرف ایک شرط ہے کہ طالب خودی کو دور کردے تاکہ ضرر رسانی کا احتمال جاتا رہے جب یہ شرط پوری ہوجاتی ہے تو محافظان علم باطن اُسکو اپنے علم سے فیضیاب کرنا شروع کرتے ہین۔

معمولی انسان کی آمد و شد منجملہ ہفت طبقات عالم کے صرف ادنے درجہ کے تین طبقون مین محدود رہتی ہے باقی چار طبقے اُن انسانون کے واسطے مخصوص ہین جو خودی کو دور کرکے تناسخ سے آزادی حاصل کرچکے ہین اُن تین طبقون مین سب سے ادنیٰ طبقہ یہ بھولوک یعنی عالم ناسوت ہے جسکو سنسکرت میں کرم لوک بھی کہتے ہین کیونکہ

کل کرم انسان کے اسی عالم میں ہوتے ہین باقی دو عالم اسکے خاص کرمون کے نتائج کے واسطے ہین وہان کوئی نیا کرم نہین ہوتا۔ ان دو عالمون مین جانے کی دوسری غرض یہ ہے کہ مدت تک کام کرنے سے جو ایک قسم کی تکان پیدا ہوتی ہے وہ ان عالمون مین آرام ملنے سے رفع ہو جاتی ہے۔ بیداری کے بعد خواب نوشین۔ مرنے کے بعد آسائش جنت اور ظہور کے بعد بطون یہ سب اسی اصول پر مبنی ہین۔ عمر بھر کام کرتے کرتے انسان کو راحت وسکون کی ضرورت ہوتی ہے جسکو موت مہیا کرتی ہے موت ہی کی عنایت سے بڑھاپے کی ملالت بچپین کی بشاشت سے تبدیل ہو جاتی ہے چنانچہ مذکورہ دو عالمون مین ستانے کے بعد انسان تر و تازہ ہو جاتا اور اس عالم ناسوت مین کام کرنے کو پھر آتا ہے۔ اگر انسان موت کی حکمت سے واقف ہو جائے تو ہرگز خوف نکھائے بلکہ جیسے رات کو سونے کی تیاری کرتا ہے اس سے بھی زیادہ خوشی کے ساتھ مرنے کی تیاریان کرے تیسری غرض ان دونون عالمون مین جانے کی یہ ہے کہ وہان گزشتہ جنم کے خیالات و افعال کے موجب آیندہ جنم کے لئے جسمانی دماغی اور روحانی قوتین پیدا ہوتی ہیں جس انسان کی توجہ اس عالم ناسوت مین ایک خاص مضمون کی طرف رہی تھی وہ عالمہائے مذکورہ مین اُسی مضمون پر متواتر متوجہ رہتا ہے اور اس مین ایسی رغبت و قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اُس خاص مضمون مین بہت ترقی کر سکتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے عالم ناسوت میں عمر بھر علم موسیقی کے لئے کوشش کی ہے تو اُسکی کوششون کا نتیجہ عالم جبروت مین جانے کا یہ ہوگا کہ آیندہ جنم مین اُسکو پیدایشی رغبت و صلاحیت و قوت اُس علم کے حصول کی ہوگی اسی لئے وہ علم موسیقی مین بہت ترقی کر سکے گا۔ کسی علم یا فن مین جو بعض اشخاص کو کمال حاصل ہوتا ہے اُسکی وجہ یہی ہے۔

عالم ناسوت

انسان کا استھول نثر یعنی جسم کثیف عالم ناسوت کے مادہ سے مرکب اور اسی عالم کے موزون ہوتا ہے تمام افعال جسمانی اس جسم کے ذریعہ سے ہوتے ہیں۔ ذرات اور اعضا جنسے یہ جسم مرکب ہے کشش اتصال کی وجہ سے ایام زندگی میں باہم ملکر باتفاق کام کرتے اور جسم کو قائم رکھتے ہین۔ موت کے وقت یہ کشش زائل ہو جاتی ہے تو اجزائے جسم بھی منتشر ہو جاتے ہین۔ چونکہ جسم کثیف تمام افعال جسمانی کا آلہ ہے اس لئے اسکو درست رکھنا نہایت ضروری ہے۔ مگر بقدر ضرورت ہی توجہ چاہیئے نہ تو اسکی طرف سے بے پروائی ہو نہ تن پرستی کہ آدمی اسی کا ہو رہے۔ چونکہ وہ غذا سے پرورش پاتا ہے اسلئے غذا کی بھی احتیاط لازم ہے شراب گوشت وغیرہ سے وہ ایسا بھدّا اور کثیف ہو جاتا ہے کہ نیک افعال اور خدا پرستی کی رغبت نہیں رہتی بلکہ عیش وعشرت اور حسد و بغض وغیرہ کی طرف میلان پیدا ہو جاتا ہے۔ خواہشات کا اثر بھی جسم کی لطافت وکثافت پر بہت ہوتا ہے اسلئے بُری خواہشوں سے پرہیز واجب ہے۔ علم مادی سے یہ بات بخوبی ثابت ہو چکی ہے کہ سات برس کے عرصہ مین جسم کے تمام ذرات تبدیل ہو جاتے ہین۔ اور جیسی غذائیں آدمی کھاتا یا جیسی خواہشیں رکھتا ہے اُسکے مطابق نئے ذرات جسم مین داخل ہوتے جاتے ہیں۔ پس انسان کو اس جسم کثیف کی درستی باہر سے بذریعہ غذا کے لطیف اور اندر سے بذریعہ خواہشات پاک نہایت کوشش کے ساتھ کرنی چاہیئے۔ کثرت ہوس رانی سے بھی اس جسم کو سخت نقصان پہونچتا ہے اس بارہ مین بھی احتیاط لازم ہے۔ غرض قواعد حفظ صحت پر پوری توجہ چاہیئے تاکہ جسمانی اور دماغی افعال صحیح وسالم رہیں۔

عالم ملکوت

اس عالم کے مناسب اور اسی کے مادہ سے مرکب سوکشم شریر یعنی جسم لطیف ہوتا ہے جس میں کل حواس کے مرکز ہوتے ہین جسم کثیف میں تو صرف ظہور حواس کے آلات ہن جیسے آنکھ ناک کان وغیرہ۔ اور تمام خواہشات ناسوتی کا ظہور بھی اسی جسم لطیف سے ہوتا ہے۔ جیسی جیسی خواہشین ناسوتی زندگی مین رہی ہیں اُنھین کے مطابق بعد مرگ عالم ملکوت مین انسان زندگی بسر کرتا ہے یہ عالم سات درجوں میں منقسم ہے جسکے ادنے درجے اس مادہ سے مرتب ہوئے ہیں جو اس عالم مین کثیف تر ہے۔ اسلیئے ادنے درجون مین اُن لوگون کا قیام زیادہ ہوتا ہے جن کی خواہشیں ناسوتی زندگی مین زبون و ناپاک تھین اسلیئے وہ لوگ طرح طرح کے عذاب مین مبتلا رہتے ہیں یہ ہی عوام الناس کا دوزخ ہو جنکی خواہشین اس زندگی میں نفیس و لطیف تھین اُنکا قیام ملکوت کے اعلے درجون میں زیادہ ہوتا ہے اسی کو کتب مذہبی میں اعراف لکھا ہے یہاں انسان طرح طرح کے آرام حاصل کرتا ہے غرض ہر شخص جس طرح عالم ناسوت میں اپنے جسمانی افعال کے مطابق جسمانی راحت و اذیت پاتا ہے اُسی طرح عالم ملکوت میں اپنی خواہشون کے موافق عذاب یا ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

اس جگھ یہ امر بیان کرنا ضروری ہے کہ عالم ملکوت اور اُسکے باشندون کا وجود ایسا ہی صحیح ہے جیسا کہ اس دنیا اور اہل دنیا کا وجود ہے یہاں لفظ صحیح عرفی معنی مین استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اہل تصوف کے خیالات کے مطابق بجز ذات باری تعالی اور کسی شئے کی ہستی نہیں۔ یہ سب مایا کا کھیل ہے لیکن جسطرح ہم دنیوی اشیا کا وجود مثل میز کرسی مکان انسان وغیرہ صحیح مانتے ہین اسی طرح عالم ملکوت و عالمہاے بالا اور اُنکے باشندوں کا وجود ہے۔

جب انسان بحالت زندگی اُس عالم کی سیر کرتا ہے تو ایک عجیب نظارہ دیکھتا ہے وہان کی اشیا کا ایک خاصہ یہ ہے کہ وہ مثل بلور شفاف ہوتی ہین جس سبتے کو دیکھو ابتدا سے انتہا تک کل نظر آتی ہے۔ معمولی انسان کا جسم لطیف موجودہ زندگی مین بے ترتیب ہوتا ہے لیکن بعد مردن اسکی خواہشات کے مطابق خوبصورت یا بدصورت شکل انسانی قبول کرلیتا ہے اور شخص متوفی کی مشابہت بھی کسی قدر اُس مین پائی جاتی ہے جس سے پہچان مین آسکتا ہے شکل دیکھتے ہی اُسکی جملہ خواہشات نیک و بدمعلوم ہوجاتی ہین۔ وہان اس عالم کی طرح اپنی خواہشات کو دوسروں سے چھپا نہیں سکتا۔ جن شخصون کو اختیار حاصل ہے وہ اپنے جسم لطیف کے ذریعہ سے عالم ملکوت کی سیر اور اُس عالم کے باشندوں سے ملاقات کرسکتے ہین خاص خاص حالتوں مین اُنکو نفع بھی پہونچا سکتے ہین۔ جسم لطیف کی خوبی اگرچہ خواہشات کی پاکیزگی پر موقوف ہے لیکن اجسام ناسوتی وجبروتی کا اثر بھی اُسپر پڑتا ہے اسلئے طرفین پر بھی توجہ ہونی چاہیے۔ عالم ملکوت کو سنسکرت مین کام لوک کہتے ہیں کام کے معنی ہین خواہش چونکہ اس طبقہ مین خواہشات کا زور ہوتا ہے اسلئے یہ نام رکھا گیا۔

یہان کے ساکنین کو عموماً عالم ناسوت سے کچھ واسطہ باقی نہیں رہتا اور وہ اس عالم کے تعلقات مین قطعاً مخل نہیں ہوتے مگر بعض صورتون مین جبکہ ان کی خواہشات نہایت زبردست ہوتی ہین تو وہ آپ جیسے زبردست خواہش والے شخصون پر عمل کرکے اُن کے اجسام کثیف کے ذریعہ سے اپنی خواہشین پوری کرتے ہین۔ انھین کو بھوت پریت کہتے ہین اور وہ اعمال سفلی کے ذریعہ سے اُتارے جاتے ہین۔ عالم ملکوت کے قیام کی مدت خواہش کی تیزی وطاقت پر موقوف ہے۔ اہل ہند زمانۂ قدیم مین چند قسم کے کرمون اور منترون کے ذریعہ سے شخص متوفی کو عالم ملکوت کے ادنے درجون سے نجات دلاکر

اعلیٰ مدارج مین پہونچا دیے تھے اس طرح اُن کی تکلیف رفع ہو جاتی تھی۔ سنسکرت میں بیٹے کو پتر اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ باپ کو نرک سے بچاتا ہے لیکن اب نہ وہ عالم رہے نہ وہ عامل صرف لکیر پیٹنا باقی رہگیا ہے۔

بعض آدمی جنکو اسقدر صفائی قلب حاصل نہین کہ بذریعۂ علم علوی عالم ملکوت کی سیر کرسکیں وہ بذریعۂ اعمال سفلی اِس عالم میں جانے کی کوشش کرتے ہیں تو اُن کو یہان کی عجیب صورتوں اور نادر شکلوں کے دیکھنے سے ایسا خوف طاری ہوتا ہے کہ یا تو وہ فوراً ہی مرجاتے ہین یا دماغ میں فتور آجاتا ہے۔ بعضے کچھ عرصے تک فاتر العقل رہتے ہین بعضے عمر بھر کے لیے دیوانے ہوجاتے ہیں اس لیے سیر ملکوت کی کوشش سفلی وسائل سے ہرگز نہ کرنی چاہیے۔ وہاں کی سیر کا محفوظ ذریعہ تو علوی وسائل ہین جو صفائی قلب کے بغیر حاصل نہیں ہوتی

عالم جبروت

جبروت کے موزون اور اسی کے مادہ سے مرکب انسان کا کارن سشریر ہوتا ہے اور اُسکو کارن تریر اسلیے کہتے ہیں کہ وہ دیگر دو اجسام کا کارن یعنی بنیاد ہے۔ جس طرح مرنے کے بعد اِس جسم کثیف کے اجزا منتشر ہوجاتے ہین اسی طرح جب اِنسان کارن شریر مین پہونچتا ہے تو سوکشم تریر یعنی جسم لطیف کے اجزا منتشر ہوجاتے ہین۔ جبروتی وجود کے ذریعہ سے اِنسان اپنے اعلےٰ خیالات کے مطابق جو تعلقات دنیوی سے بالاتر تھے عالم جبروت مین راحت وسرور پاتا ہے۔ مثلاً محبت صادق۔ دینداری۔ فلسفہ تحقیقات علوم وفنون وغیرہ جنکا ظہور ناسوتی زندگی مین رہا تھا انہین کے مطابق ہفت منازل جبروت مین راحت پاتا ہے۔ دیندار آدمی یہان معبود حقیقی کی عبادت

مین اپنے آپ کو مشغول پاتا اور عبادت سے سرور نا قتنا ہی حاصل کرتا ہے ماں اپنے بچون کے ساتھ جنکی سچی محبت رکھتی تھی اپنے آپ کو محظوظ پاتی ہے جو لوگ علوم وفنون کے شائق تھے وہ انکے مسائل حل کرنے مین مستغرق رہتے ہیں غرض یہ عالم محض عالم سرور ہے وہاں کسی قسم کی کلفت روح کو نہین پہونچتی جملہ مصائب وتکالیف کی دسترس ادنئے درجۂ ملکوت تک ختم ہو جاتی ہے - ہر شخص یہان اپنے خیالات مین مشغول رہتا اور حظ و سرور اُٹھاتا ہے - اسی کو بہشت یا سرگ کہتے ہین - عالم جبروت کے ساکنین ایسے خیالات مین ایسے مستغرق رہتے ہین کہ انکو عالم ناسوت سے کچھ واسطہ نہین رہتا ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد		کسے را با کسے کارے نباشد

کارن شریر ایک مرکز نور ہوتا ہے خصوصًا اہل باطن کا تو نہایت ہی خوب قابل دید ہوتا ہے - اس جسم مین حواس مثل جسم لطیف جدا گانہ نہیں ہوتے - صرف ایک ہی قوت حس ہوتی ہے جو کل حواس کا کام دیتی ہے - خیالات کا اظہار اس عالم مین الفاظ کے ذریعہ سے نہین ہوتا جیسا کہ ناسوت اور ملکوت مین ہوتا ہے - بلکہ یہان ایک خوش رنگ خوشنما خوشبو اور خوش الحان تصویر کے ذریعہ سے پورا پورا خیال ادا ہو جاتا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ دیوتاؤن کی گفتگو رنگ روپ کے وسیلہ سے ہوتی ہے نہ کہ شبد سے چنانچہ ایک عارف کہتا ہے ؎

اے خدا بنمائے مارا آن مقام		کاندران بے حرف می روید کلام

اس عالم کی خوبصورتی - رنگون کا میل اور رنگا رنگ اشکال بیان نہین ہوسکتین مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہین جو شخص ایسے خوش قسمت ہین کہ حالت زندگی مین

بذریعہ کارن شریر اس عالم مین جانے کی قدرت رکھتے ہین اُنکو ایک عجیب سرور لطیف اور نظارہ دلکش حاصل ہوتا ہے انسان کو اس عالم کثیف کی اشیا اُسی وقت تک دلاویز معلوم ہوتی ہین جبتک کہ اُسکو جبروت کا مشاہدہ میسر نہین ہوتا اگر ایک نظر بھی اُس عالم کے اشیا کا جمال دیکھ پائے تو اس عالم کثیف کی اشیا اُسکی نظر مین حقیر و خفیف ہوجائین جیسا کہ پورا وراگ انسان کو اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ جبروت کی سیر کا موقع پاتا ہے ؎

جو دیکھے تجھے بلبل اسے رشک گل	نہ بھٹکے کبھی پاس گلزار کے

معمولی انسان جو دنیا کی چیزون پر فریفتہ رہتے ہین اسکی وجہ یہ ہے کہ انکو عالم ہائے بالا کا علم و مشاہدہ حاصل نہین ہے وہ اپنے اگیان مین مگن رہتے ہین

انسان جس قدر خودی کو دور کرکے نیک و پاک خیالات کو دل مین جگہ دیتا ہے اسی قدر اسکا کارن شریر منوّر ہوتا ہے اس لئے خیالات پر پورا قابو حاصل کرنا چاہئے تاکہ وہ ناقص خیالات دل مین نہ آنے پائیں جو کارن شریر کی درستی مین خلل انداز ہوتے ہین اور چونکہ کارن شریر ایک مہا کلپ (دور ظہور) تک رہتا ہے اور اس عرصہ مین کرورون جنم انسان کے ہوتے ہین لہذا اسکی درستی پر کامل توجہ لازم ہے۔ اس کارن شریر کی اصلاح سے انسان ایسے اعلیٰ مقام مین پہونچ جاتا ہے کہ جہان رنج و تکلیف کا دغدغہ نہین محض سرور ہی سرور ہے اس حالت مین پہونچکر وہ منازل آیندہ کی تیاری کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

حالت بیداری کی خواہشین اور خیالات تم دیکھتے ہو کہ حالت خواب میں عود کرتی ہین پس اسی طور سے اس زندگی کی خواہشین اور خیالات بعد مردن کام لوک اور

سرگ مین عود کرتی ہین۔ اور کشان کشان اُن مقامات کی طرف لے جاتی ہین جہان
پورا عود کرکے متواتر جاری رہ سکین عالم ملکوت اور جبروت دونون کا مادہ اِس قدر
لطیف ہے کہ وہ خواہشات اور خیالات کے ساتھ تبدیل ہوجاتا اور انہین کے مطابق
صورتین شکلین قبول کرلیتا ہے۔ پس عالم ملکوت کے اندر انسان اپنے آپ کو نیک یا بد
کرمون وخواہشون کی مناسبت سے آرام یا تکلیف مین پاتا ہے مثلاً ایک قاتل جو ہمیشہ
پولیس سے خائف تھا یہان ایک ہیبت شکل کے پولیس انسپکٹر کو اپنا پیچھا کرتے ہوئے
دیکھتا ہے۔ اور جو شخص اپنے خیالات نیک اور اعمال حمیدہ کی وجہ سے دنیوی زندگی
مین راحت واطمینان کی حالت رکھتا تھا وہ عالم جبروت مین بھی اپنے تئین مطمئن اور شادان
پاتا ہے مثلاً ایک دیندار آدمی خوشساختہ مندر یا مسجد مین اپنے آپ کو طاعت وعبادت
مین مشغول ومسرور پاتا ہے۔

اسپر بعض صاحب اعتراض کرین گے کہ یہ بات ہے تو بہشت ودوزخ کی کچھ
اصل نہ رہی محض ایک خیالی چیز ٹھہری۔ بے شک یہ اعتراض اِن کا کسی قدر صحیح ہے
مگر یہ تو غور کیجئے کہ اِس عالم ناسوت ہی کی اصلیت کیا ہے۔ ایک ہے کہ بغض وحسد
کی آگ مین جو خود بھڑکائی ہے جل رہا ہے ایک ہے کہ جو حسّی لذتون کو موجب رحمت
تصور کرکے محظوظ ہوتا ہے۔ یہ بھی خواب وخیال سے زیادہ نہین غرض جب تک ہم
بچّے ہین اُس وقت تک تمام طبقات عالم ایسے ہی سچے ہین جیسا کہ یہ عالم ناسوت ہے
مگر جب ہم بالغ ہوجاتے ہیں یعنی چشم بصیرت کھلتی ہے تو ذات باری کے سوا جو کچھ ہے
سب مایا کا کھیل معلوم ہوتا ہے ؎

ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن		دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھّا ہے

مبارک رہے تم کو واعظ بہشت		میاں ہم تو طالب ہیں دیدار کے

جب خیالات کی قوت ختم اور سرگ کے بھوگ پورے ہو چکتے ہین تو بذریعۂ کارن
شریر انسان کا پنر جنم ہوتا ہے اور منتظمان کرم ایسا ملک قوم خاندان والدین وغیرہ
تجویز کر کے اُسکو یہو بجا دیتے ہین جہان اعمال گذشتہ کے موافق جسمانی دماغی روحانی
قوا کا ظہور ہو سکے اثنائے راہ مین یعنی عالم ملکوت کے اندر گذشتہ جنم کی خواہشون کے
مطابق اسکا جسم لطیف تیار ہوتا ہے۔ پھر یہ دونون اجسام لطیف رحم مادر مین داخل
ہوتے ہین اور انہین کی مناسبت سے جسم کثیف بنتا ہے۔ گویا انسان ایک گھڑی ہے
جسکی کوک عالم ناسوت مین دیجاتی ہے اور برسون اسکے تینون عالمون مین گھومتے ہین
جب کوک ختم ہو لیتی ہے تو نئی کوک کے لیے پھر ناسوت مین واپس آتا ہے

اس پنر جنم کے مضمون سے آپ کو واضح ہو گا کہ کارن شریر انسان کا وہی رہتا ہے
یعنی انسان دراصل وہی رہتا ہے صرف بیرونی دو غلاف بدلجاتے ہین۔ پس جو کرم
موہن لال نے کیے تھے اب وہی موہن لال بتبکل سوہن لال اُن کی سزا و جزا پاتا ہے۔
صرف نام اور روپ بدلتا ہے شخص وہی رہتا ہے اس کارن شریر مین جنم ہائے گذشتہ
کے آثار جس کے ذریعہ سے موجود رہتے ہین مگر ہمکو اس پردہ سے واقفیت نہین اسلئے
اُسکے حالات منکشف نہین ہوتے۔ اگر باختیار خود اس پردہ مین جا سکین تو سب بھید
کھلجائے۔ یاد کا انحصار عموماً دماغ پر ہے اور دماغ دوسرے جنم مین تبدیل ہوجاتا ہے
اسی واسطے گذشتہ جنم کی یاد آئندہ جنم مین نہین رہتی۔ یہ قاعدہ غایت درجہ کے رحم پر
مبنی ہے کیونکہ معمولی انسان کو جنم ہائے سابقہ کی یاد رہے تو وہ اپنے اعمال قبیحہ کی
ندامت کے مارے آئندہ ترقی و اصلاح سے محروم رہجائے۔ چنانچہ خاص اس زندگی

کے افعال بد کی یاد بھی دل مین اضطراب پیدا کر کے یکسوئی مین خلل ڈالتی ہے اور یہ بات روحانی ترقی کی مانع ہے جب ایک جسم میں افعال گزشتہ کی یاد کا یہ نتیجہ ہے تو پچھلی جنمون کی یاد بہت ہی مضر ہوتی بس یہ عین رحم ہے کہ افعال کی یاد نہین رہتی اور اُنکے نتائج ملجاتے ہین - انسان خود اپنے حالات جسمانی دماغی اور روحانی سے مجملاً نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اسکے افعال گزشتہ نیک تھے یا بد کچھ ضرورت ہین کہ ان کی تفصیل سے بھی واقف ہو البتہ جب آدمی کو ترک خودی کے ذریعہ سے پورا ضبط اور کامل اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو وہ کارن شریر مین پہونچکر گزشتہ جنمون کے حالات سے واقف ہوتا ہے اور اپنے افعال بد کا دفعیہ کرتا اور آیندہ اُن سے بچتا ہے - اب مسئلہ جبر و قدر کو سمجھنا چاہیئے ؎

یہی نقشہ ہے یہی شکل ہے سامان ہے یہی
یہ جو صورت ہے تری صورت جانان ہے یہی

تمام مذاہب کے اصلی حقائق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنے جوہر ذات سے پیدا کر کے اپنی کل صفات کا مظہر بنایا ہے - پس اسی اصول کے اندر کل رموز مسئلہ جبر و قدر کے مخفی ہین جب ہم صفات باری مین غور و تامل کرتے ہین تو سب سے اعلےٰ صفت قوت ارادی کو پاتے ہین جو کل کائنات کے ظہور و قیام کا سبب ہے - یہی صفت ہے جو نظام عالم کو قائم رکھتی اور اُسکو ترتیب مناسب کے ساتھ ایسے قوانین کے زیر حکم چلاتی ہے جن مین کبھی سرمو فرق نہین پڑتا - اچھا تو انسان جو مظہر صفات الٰہی ہے چاہیئے کہ قوت ارادی کا بھی مظہر ہو لیکن ظاہرا اسکی حالت برعکس نظر آتی ہے - وہ ہر ہر قدم پر ٹھوکرین کھاتا اور ذرا ذرا بات مین اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے بلکہ ہر دم ایسے حادثات کا

نشانہ بنا رہتا ہے جن پر اسکا کچھ بس نہین چلتا۔ آخر اسکا کوئی سبب معقول اور وجہ مناسب ہونی چاہئے جو نمونہ ذات خداوندی نے مین انسان کی سد راہ ہے اور اِسکی قوت ارادی کا نقش ہیں جمنے دیتی۔ یہ تو مسلم ہے کہ قوانین قدرت جس پر بقا و قیام عالم کا دار و مدار ہے سراسر عدل ہین کیونکہ وہ عادل مطلق سے صادر ہوئے ہیں۔ چونکہ انسان اپنی نادانی سے ان قوانین کا ادب و لحاظ نہین کرتا بلکہ ان کی حدود کو توڑ پھوڑکر باہر نکلجاتا اور اپنے من مانے کو تک کرتا ہے۔ بس یہی وجہ ہے کہ اسکے ارادے اور ان کے مقاصد ناقص و ناتمام رہتے ہیں اس معاملہ مین نہ کوئی اسکا مخالف ہے نہ خارج بلکہ خود اسی کے نارسا کرتوت اور اسی کی بے احتیاطی اِسکے ارادون پر پانی پھیر دیتی ہے اسلئے وہ اپنے آپ کو ناچار و مجبور پاتا اور صدہا قسم کی تکلیفات کا مرکز بنجاتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے "از ماست کہ بر ماست"

علاوہ برین یہ بھی ظاہر ہے کہ اِنسان ایک معجون مرکب ہے صفات بہیمی اور ملکی سے ع از ملایک حصہ داری ور بہائم نیز ہم + یعنی اس مین وحشی جانورون کے سے خصائل بھی موجود ہین اور مقدس فرشتوں کے سے خواص بھی۔ مگر جب صفات بہیمی غالب آجاتے ہین اور وہ حیوانی اور نفسانی خواہشون میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اُسکی قوت ارادی مدھم اور کند ہو جاتی ہے اسلئے وہ دنیوی خواہشات کے سلسلہ مین جکڑا ہوا ایک جنم سے دوسرے جنم مین گھومتا رہتا اور خود اپنے اعمال و افعال سے طرح طرح کے قیود مین پھنسکر واویلا کیا کرتا ہے۔ اگر انسان صفات ملکی کو اپنا ہادی بناکر اُن قیود کو توڑ ڈالے جو اُسنے خود اپنے اوپر عاید کئے ہین اور نتایج بھگتنے کے بعد ایسے افعال سے محترز رہے جو کہ اسیری بندش کا سبب ہون تو وہی آزادی جو اُسکی ذات مین ہے اُسکو حاصل ہو جائے۔ وہ موجود

تو ہے مگر حواہشات نفسانی کے ابر میں پوشیدہ ہو رہی ہے یہ ابر تاریک پھٹا اور اوسکا سورج چمکا ع . گدر ار حد بہائم کر ملائک گذری +

انانیت حقیقی ایک فلاسفر کی اور ایک جاہل گنوار کی فی الحقیقت ایک ہی اصلیت رکھتی ہے لیکن اسکا ظہور اس عالم میں جیسے پردون مین ہوتا ہے اسی نام سے وہ موسوم کیجاتی ہے جسطرح باجے کی آواز تارون وغیرہ کے سامان پر موقوف ہے اسی طرح انانیت حقیقی جس قسم کی انانیت شخصی سے ملبوس ہوتی ہے ویسا ہی ظہور کرتی ہے اور یہ انانیت شخصی خود اپنے ہی افعال ماضی کا نتیجہ ہے کسی دوسرے کی طرف سے نہین اور آدمی اپنی ہی کوشش سے اسکو دور کرسکتا ہے۔ پس ریشم کے کیڑے کا سا حال سمجھو کہ اپنے لعاب سے ریشم بناتا اور اوسکے خول مین آپ قید ہوجاتا ہے جب قید گران گذرتی ہے تو کوئے کو کاٹکر باہر نکل جاتا ہے پس قید و رہائی دونون کا مرکز خود کیڑا ہے نہ کوئی اسکو پھنساتا ہے نہ کوئی چھوڑاتا ہے۔ انانیت حقیقی اس عالم مین لباس خودی پہنکر اپنے آپکو برن و آشرم وغیرہ کی قیدون مین مقید کرلیتی ہے پھر علم اور بچار اور ست سنگ کے ذریعہ سے خواب غفلت کو دور کرکے اپنی ہی کوشش سے نجات پاتی ہے۔ غرض کہ اس محدود زندگانی کا راز جسمین انسان ہر قدم پر جبر و قدر کو محسوس کرتا ہے بجز مسئلہ کرم و تناسخ کے اور کسی صورت سے منکشف نہین ہوسکتا۔ انانیت حقیقی پر جو حجابات خودی یکے بعد دیگرے انسان کے افعال ماضیہ کے نتایج سے عائد ہوئے ہین وہ حجابات جسقدر خودی کی بیخ کنی سے دور ہوتے جاتے ہین اُسی قدر انانیت حقیقی اور قوت ارادی انسان مین جلوہ گر ہوتی جاتی ہے۔ حتی کہ وہ تمام قیود مکان و زمان کو جن میں فی الحال اپنے آپکو محدود و مقید پاتا ہے اپنے گیان و کوشش سے توڑتاڑ کر صاف نکل جاتا اور آزاد محض و

قادر مطلق ہو جاتا ہے ٥

لباس دوئی جو اوتارے ہوئے ہیں
وہ لفظ انا الحق پکارے ہوئے ہیں
مٹا در میاں سے خودی کا جو پردہ
ہم اُنکے ہوئے وے ہمارے ہوئے ہیں

روایت ہے کہ اُتر کاشی میں ایک رشی رہتے تھے۔ یہ مقام کوہ ہمالہ پر گنگوتری کے قریب ٹیڑھی کے راج میں گنگا جی کے کنارے پر واقع ہے اور نہایت پرفضا مقام ہے مثل کاشی کے متبرک سمجھا جاتا ہے آب وہوا بھی بہت خوب ہے۔ اس لئے ہمیشہ سے رشی منیون کا جائے قیام رہا ہے۔ قرب وجوار مین چارون طرف جنگل ہے ایک جانب گنگا کا سرد وشفاف پانی پتھرون پر نعمات ملائم کرتا ہوا بہتا ہے مین نے سادھوون کی زبانی سنا ہے کہ پانی کا ذائقہ اُتر کاشی سے بڑھکر دوسری جگہ نہین ہے یہان کا گنگا جل نہایت شیرین ہاضم مقوی اور مفرح ہے۔ اس مقام مین جا بجا سادھوؤن کی کٹین صاف ستھری بنی ہوئی تھیں۔ اکثر برہم چاری تحصیل علم کی غرض سے بود و باش رکھتے تھے۔ چونکہ رشی جی مہاراج علم وفضل مین فائق اور طاعت وعبادت مین راسخ تھے اسلیئے سب سے معزز وممتاز سمجھے جاتے اور سب خاص وعام ان کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ مہاراج کی استری دیبی سروپ شاستر پڑھی ہوئی تھیں شب و روز شوہر کی خدمت گزاری اور بچوں کی تعلیم وپرورش مین مصروف رہتی تھین اُنکے دو بچے تھے لڑکا سات برس کا لڑکی تین برس کی چند طالب علم بھی مہاراج کی کٹی کے پاس رہتے اور

اُن سے تحصیل علم کیا کرتے سنسکرت تو اُسوقت کی زبان ہی تھی اِسواسطے شاستر کے
پڑھنے پڑھانے مین کچھ دشواری نہ تھی - یہ کٹی عین لب دریا واقع ہوئی تھی جسکا صحن
بطور چبوترہ نما چبوترہ دریا کے کنارہ تک تھا - اِس چبوترہ پر ایک سرسبز سایہ دار درخت تھا
اِسکی چھاؤں میں مہاراج سدھیا پوجن کیا کرتے صبح کے حاجتی ضروریات اور اشنان
سے فارغ ہوکر پوجن مین بیٹھ جاتے سورج کے نکلتے نکلتے پوجن پاٹ سے فرصت ہوکر
شاگردوں کی درس و تدریس شروع کر دیتے پہر دن چڑھے طلبہ کو رخصت فرماکر بقدر رمق
کھانا تناول کرتے اور ذراسی استراحت کے بعد شاستر کے بچار مین مشغول ہوجاتے دن ڈھلے
کے بعد سادھو سیاسی برہم چاری - جاتری جمع ہوجاتے اور ان کی مشکلات حل
کرتے اس جلسہ سے بھی فراغت پاتے تو مہاراج شاگردوں کو ساتھ لیکر سیر و تفریح کے لئے
جنگل چلے جاتے راہ میں جو بوٹیاں نظر آتیں اُنکے صفات و خواص اُنکو بتاتے اور اکثر
اوقات شاگردوں سے ارشاد فرماتے کہ نباتات کے خواص خوب جی لگاکر سیکھنے چاہئین
کیونکہ یہ مضمون جیساکہ دلچسپ ہے ویساہی پر منفعت بھی ہے اسکے سیکھنے میں جتنی کوشش کروگے
اُسیقدر نباتات سے فائدے حاصل کروگے اور اُنکے نقصانات سے بچوگے - نباتات
ہی سے انسان کی زندگی قائم رہتی ہے کیونکہ اسکی غذا عموماً نباتات ہی سے پیدا ہوتی ہے
بعض پھولوں کی خوشبو کیسی فرحت افزا ہوتی ہے کہ دماغ تروتازہ ہوجاتا ہے سبزہ تو ہمیشہ دلکو
تفریح اور بصارت کو تیزی بخشتا ہے بعض نباتات زہر کا اثر رکھتی ہین جنکے کھانے سے
انسان ہلاک ہوجاتا ہے بلکہ بعض تو ایسی زہر قاتل ہیں کہ ان کی بو ہی آدمی کو مار ڈالتی ہے
برخلاف اِسکے بعضے نباتات ممد حیات ہین جو انسان کی زندگی کو بڑھاتی اور طاقت
و توانائی پیدا کرتی ہیں نباتات کی تاثیر جسم ہی پر محدود نہیں ہے بلکہ انسان کے قلب

بڑھتی بڑھتی ہے چنانچہ بعض کے کھانے سے ستوگن پیدا ہوتا ہے۔ بعض سے رجوگن بعض سے تموگن اس لئے مضر و ممنوع غذا سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیے۔ نباتات کے مختلف آثار و خواص ہماری توجہ کو اُس قدرت کاملہ کی طرف رجوع کرتے ہین جس نے ایسے عجیب و غریب خواص گھاس پات کو عطا فرمائے ہیں ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار	
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار	

یہ بھی یاد رکھو کہ جمادات و نباتات مین کمال قدرت بطور خواص و آثار کے ظاہر ہوتا ہے حیوانات مین بطور حس و حرکت کے۔ انسان مین بطور فہم و ادراک کے اور کاملین میں بطور مشاہدہ و مکاشفہ کے ظہور کرتا ہے۔ الغرض اسی قسم کے عالمانہ بات چیت کرتے ہوئے قبل غروب آفتاب اپنے استھان پر واپس آپہونچتے اور اشنان کر کے پوجن میں بیٹھ جاتے کچھ رات گئے تک بھجن مین مشغول رہتے۔ صبح شام ہوم کی وجہ سے سارا جنگل معطر ہو جاتا تھا ہوا کے جھوکون مین مشک تاتار کی سی مہک آتی تھی۔ ریاست ٹیڑھی کے راجہ قدیم الایام سے دھرماتما ہوتے چلے آئے ہین اور فقرا کی خدمت و خبرگیری کو ہمیشہ اپنا فرض سمجھا کئے ہین چنانچہ سادھوؤن اور بدیارتھیون کے لیئے راج کی طرف سے اناج اور کپڑا مقرر تھا اُسوقت مین جو راجہ گدی نشین تھے وہ بذات خود مہاراج کے درشنوں کو کبھی کبھی حاضر ہوتے اور اُن کے اُپدیش سے فیض و فائدہ حاصل کرتے تھے۔ محبت کی وجہ سے جنگل کے جانور بھی ایسے مانوس ہوگئے تھے کہ بے کھٹکے کٹیون کے پاس چلے آتے تھے۔ مہاراج کے بچون کی عادت ہو گئی تھی کہ قریب شام چبوترہ پر اناج ڈالدیتے ہرن ہرنیان۔ بارہ سنگھے جیکارے وغیرہ دانہ چگا کرتے۔ یہ بچے اُن کے

چھوٹے چھوٹے بچون کے ساتھ کھیلتے اُنکو گود مین اُٹھائے اُٹھائے پھرتے ہرنیان
پیاری پیاری نظرون سے دیکھتین گویا اِس کھیل سے خوش ہین - ان پرندون کا بچا کھچا دا ،
دن کا جو چبوترہ پر پڑا رہتا تھا اُسکے چگنے کو صبحدم پرندون کا جمگھٹ آموجود ہوتا تھا -
طرح طرح کے خوش رنگ طوطے - مینا اور بہت سی برفستانی چڑیان جنکے پر نہایت ہی چمکدار
چکنے اور رنگ برنگ کے ہوتے ہین دانہ چگنے آجاتی تھین - چھوٹے بچے کبھی کبھی کسی
طوطے کو جا پکڑتے اور اُسکو اپنے ہاتھون مین لئے پھرے جب وہ اِس قید سے گھبرا تا او
ٹین ٹین کرکے غل مچاتا بچے مارے خوف کے جھٹ چھوڑکر الگ ہوجاتے - غرض یہ
بچون کے صبح شام کے کھیل اور دل لگیان تھین مہاراج کے ہان دو گائین بھی پلی ہوئی
تھیں قد کی چھوٹی - بدن سڈول - چہرہ مہرہ کی خوبصورت گویا تصویر کی حالت مزاج
کی سیدھی سادی نہایت غریب کوئی چھوئے تو کان نہ ہلائیں - ان کی ٹہل خدمت شاگردون
کے سپرد تھی - یہ لوگ روزمرہ خوب مل دل کر اُنھین نہلاتے اور ایسی صاف ستھری چکنی
چپڑی رکھتے کہ دیکھنے والے اچنبھا کرتے - اُن کی تھانون کی صفائی بھی ایسے سلیقہ سے
کرے تھے کہ محال نہ تھی جو تنکا پڑا پایا جائے یا تری ئی بو باس کا اثر معلوم ہو - گائین دن
بھر تو بن مین چرتی پھرا کرتیں شام کو گھر آتین تو رشی جی اور اُن کی بیوی چمکار کر اُن کے
مُنہ پر ہاتھ پھیرتے اور بڑی محبت سے پیار کرتے معمول تھا کہ روز صبح شام اُنکو دیکھ لیا کرتے تھے
دونون بچے بچھڑون کے ساتھ کھیلا کرتے کبھی جی چاہتا تو طالب علمون کی مدد سے
گایون کی پیٹھ پر جا سوار ہوتے وہ چپ چاپ کھڑی رہتیں گویا بچون کی اِس حرکت کو پسند
کرتی ہین - یہ گائین دودھار بھی خوب تھین - دودھ مٹھا کھانے کے کام آتا اور گھی ہوم میں
خرچ ہوتا تھا - اُس زمانہ مین سفر بڑا کٹھن تھا - اِس لئے گنتی کے آدمی جاترا کو جایا کرتے تھے

آج کل سا حال نہ تھا کہ غول کے غول چلے جاتے ہیں۔ جا کر گنگو تری کی جاترا کو تو وہی لوگ جایا کرتے تھے جو بڑے دھرماتما اور پکے دیندار ہوتے تھے اُن کی غرض جاترا سے محض یادِ الٰہی ہوتی تھی اور فقرا کی زیارت نہ کہ سیر سپاٹا۔ اِس لئے وہ لوگ ہر ہم چرج اور سیم دہرم سے رہتے تھے اور سادھو لوگ بھی اُن کو اپنے اپدیش سے فیض پہونچانے میں کوتاہی نہ کرتے تھے اب تو جاتریوں کا ایک انبوہ کثیر ہوتا ہے تو چل میں چل ہر قسم کا آدمی ان میں شریک ہو جاتا ہے اِس لئے سچے سادھو کنارہ کش ہو گئے ہیں اُنکے درشن بھی نصیب نہیں ہوتے

ایکبار ایک ساہوکار اپنی بیوی اور خدمتگاروں سمیت گنگوتری کے جاترا کرنے کو اُتر کاشی میں وارد ہوا۔ چند روز آرام و قیام کرنے کے بعد ایک دن سہ پہر کے وقت رشی جی کی خدمت میں حاضر ہوا اُس وقت بہت سے سادھو بھی شریک جلسہ تھے مہاراج نے حسب معمول مسافر نوازی کی راہ سے مزاج پرسی کی حال احوال پوچھا اُس نے کیفیت واقعی عرض کی اور کہا کہ میں اپنی بیوی کو ساتھ لیکر گنگوتری کیدار ناتھ اور بدری ناتھ کی جاترا کو آیا ہوں لیکن اصل مقصد جاترا کا آپ جیسے مہاتماؤں کے درشن ہیں جن سے ہمارے پاپ کٹتے اور پن زیادہ ہوتے ہیں۔ اِسی قسم کی گفتگو کرتے کرتے سیٹھ جی نے بہت مست سے کہا مہاراج میں آپ کی زبان مبارک سے پراربدھ اور پرشارتھ یعنی تقدیر و تدبیر کی نسبت کچھ تفصیل سننا چاہتا ہوں کیونکہ اس بات میں مجکو بہت سے شکوک ہیں اگر آپ مہربانی فرما کر یہ مضمون سمجھا دیں اور میری تسلی ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ میری جاترا مقبول اور میرا سفر سپھل ہوا

مہاراج نے فرمایا سو صاحب پرکرتی کے تین گن ہیں ستوگن۔ رجوگن۔ تموگن۔ یعنی پرکرتی کا ظہور ان تین حالتوں میں ہوتا ہے۔ پرلے کے وقت یہ تینوں گن حالت اعتدال میں ہوتے ہیں جسکا نتیجہ سکون ہوتا ہے۔ پھر جب پیدایش عالم کا وقت آتا ہے تب ایشور کی

چیتن شکتی کے دریعہ سے اِن گُنون مین تحریک شروع ہوتی ہے اور مادّے کے ذرے حالت سکون سے نکلکر اپنی قدرت کے مطابق ایک دوسرے سے ملنے لگتے ہیں اور اِن ذرون کے میل جول سے عالم اور عالم کی تمام اشیا صورت پکڑتی ہین رفتہ رفتہ موالید ثلاثہ یعنی جمادات نباتات حیوانات کا اور حیوانات مین انسان کا ظہور ہوتا ہے مگر ان تین گنون مین سے ایک گن ہمیشہ غالب رہتا ہے اور باقی دو مغلوب جسوقت کسی شے مین کوئی گن غالب ہوتا ہے اُسوقت وہ شے اُسی گن سے نامزد کیجاتی ہے مثلاً جس مین ستوگن کی زیادتی ہے اُسکو ستوگنی اور جس مین رجوگن کی اُسکو رجوگنی اور جس مین تموگن کی اُسکو تموگنی کہتے ہین۔ غرض اِس عالم کی کوئی شے ان تین گنون سے خالی نہین البتہ ایشور کی چیتن شکتی یعنی روح جو غیر مادی ہے اِن گنون سے مبرا و منزہ ہے۔ روح کے گن ست چت اور آنند ہین اور اُن کا ظہور اور اُن کی تکمیل پرکرتی کے گنون کے وسیلہ سے ہوتی ہی۔ آفرینش عالم کا منشا یہی ہے کہ روح مین جو گن مضمر و مخفی ہین وہ پرکرتی کے گنون کے ذریعہ سے ظہور مین آئین اور بتدریج نشو و نما پاکر مکمل ہوجائین۔ روح مین جب تک تعین نہین آتا اُسوقت تک اُسکے تینون گن مخفی و مستور رہتے ہین۔ پس تعین پیدا کرنے کی غرض سے روح کو اجسام کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے لہذا پرکرتی کے تینون گن روح پر اجسام کے ذریعہ سے ایک خاص اثر پیدا کرکے اُسکے ذاتی گنون کو بتدریج ظہور مین لاتے اور اُنکو درجہ کمال پر پہونچاتے ہین۔ ستوگن کا خاصہ روشنی ہے لہذا اُس سے گیان و سُرور پیدا ہوتا ہے رجوگن کا خاصہ حرکت ہے لہذا اُس سے تعلق و خواہش پیدا ہوتی ہے۔ تموگن کا خاصہ تاریکی ہے لہذا اُس سے جہل و مدہوشی پیدا ہوتی ہے ستوگن سے روح مین علم سرور شانتی ویراگ دھرم محبت استقلال پیدا ہوتے ہین۔ رجوگن سے شہوت

غصہ۔ طمع۔ بغض۔ حسد۔ خود غرضی۔ بلون مزاجی پیدا ہوتے ہین۔ تموگن سے جہل۔ خودی۔ تکبر کاہلی۔ بیہوشی۔ ناپاکی اور خوف پیدا ہوتے ہین ستوگن کا نتیجہ گیان ہوتا ہے رجوگن کا پیچ تموگن کا اگیان۔ ستوگن کا رنگ سنہری منور ہوتا ہے۔ رجوگن کا سرخ۔ تموگن کا سیاہ غرض جونسا گن انسان مین کم و بیش ہوتا ہے اُسی کی مطابقت سے اجسام اور تجس تبدیل ہوتے جاتے ہین۔ پس انسان کے کرمون کا رجسٹر ہمیشہ اُسکے ساتھ رہتا ہے اور جو شخص گنون کا علم رکھتا ہے اُسکو پڑھ سکتا ہے اور جان سکتا ہے کہ کس انسان مین کس گن کی زیادتی ہے

انسان اول تموگن سے شروع کرتا ہے یعنی اول جہل وخودی غالب ہوتی ہے اور وہ مثل جانورون کے زندگی بسر کرتا ہے اور اُس کی خواہشون کی غایت صرف یہ ہوتی ہے کہ جسمانی ضرورتین رفع ہوجائین۔ چونکہ تموگن سے روح مین ست کا ظہور ہوتا ہے لہذا انسان سمجھتا ہے کہ مین بھی ایک جداگانہ شے ہون جیسے کہ اِس عالم مین اور اشیا ہین اِس طور سے بہت سے جسمون مین جب کہ اُسکی خودی پختہ ہوجاتی ہے تو وہ جہل ومصیبت سے عاجز آکر کاہلی کو ترک کرتا اور اپنے احوال کی درستی مین مصروف ہوتا ہے یعنی تموگن کو چھوڑکر رجوگن مین داخل ہوجاتا ہے۔ چونکہ رجوگن سے روح مین چیت کا ظہور ہوتا ہے پس انسان اپنی کوشش سے علوم وفنون ظاہری مین ترقی کرکے لذات حسی و ذہنی کا حظ اُٹھاتا ہے۔ آخرکار اِن لذات سے سیر ہوکر اُنسے بھی دل برداشتہ ہوجاتا ہے اور آہستہ آہستہ ظاہر سے باطن کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی رجوگن کو چھوڑکر ستوگن مین داخل ہوتا ہے چونکہ ستوگن سے روح مین انند کا ظہور ہوتا ہے لہذا انسان ہوا وہوس سے دل کو پاک کرکے شانتی حاصل کرتا ہے۔ تموگن سے انسان مین خودی کثیف پختہ

ہوتی ہے جسکو لذات حسی میں راحت ملتی ہے رجوگن سے یہ کیفیت خودی لطیف ہو نا شروع ہوتی ہے تب بجای لذات حسی کے مذاق دہی مین راحت معلوم ہوتی ہے ستوگن سے یہ لطیف خودی لطیف تر ہوجاتی ہے اور ظاہر سے ہٹ کر باطن مین سرور پاتی ہے اسیطرح بتدریج انانیت حقیقی کی طرف چلتی جاتی ہے تموگن حیوان کا خاصہ ہے رجوگن انسان کا اور ستوگن ملائک کا

بھگوت گیتا مین ہدایت ہے کہ طالب حق کو شروع مین یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ رجوگن و تموگن مغلوب ہون اور ستوگن غالب ہو کیونکہ ستوگن کی زیادتی سے سچا علم اور شناتی حاصل ہوگی جس سے مقصد زندگی کو سمجھیگا اور بذریعۂ عمل اس کے حصول کی طرف متوجہ ہوگا۔ ستوگن کی زیادتی اس طور پر ہوتی ہے کہ انسان اپنے دلکو رجوگنی اور تموگنی چیزون سے ہٹا کر ستوگنی چیزون مین لگائے مثلاً لطیف غذا نیک صحبت دینیات کا مطالعہ جیس اعمال۔ طاعت و عبادت وغیرہ۔ جب کہ ستوگن کی ترقی ہوتی ہے تو انسان کے اجسام سے رجوگن اور تموگن کا اخراج ہوتا ہے۔ خیالات و خواہشات کی وجہ سے ہر لمحہ انسان کے گنون میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جب کل اجسام خالص ستوگن کے بنجاتے ہین تو ان میں روح کا ظہور کامل طور پر ہوتا ہے جیسے چمنی کی صفائی سے لمپ کی روشنی صاف نظر آنے لگتی ہے۔ روح مین کسی طرح کی کدورت نہین ہے بس کدورت ہے تو ان پردون مین ہے جن کی وجہ سے روح کا ظہور نامکمل ہوتا ہے پس روح کے ظہور کامل کے لئے صرف پردون کی صفائی درکار ہے جو ستوگنی خیالات و خواہشات و افعال سے حاصل ہوتی ہے برخلاف اسکے رجوگنی اور تموگنی خیالات و خواہشات و افعال سے ان پردون مین کدورت آجاتی ہے۔

سبھاؤ یعنی گنون کی مجموعی کیفیت اِنسان کو مرنے کے بعد وہان لے جاتی ہے
جہان اُسکے گنون کے موزون حالات میسر ہون تاکہ ترقی کا سلسلہ برابر جاری رہے جب
اِنسان ستوگن کی زیادتی مین مرتا ہے تو روحانی شخصون کے گھر پیدا ہوتا ہے۔ جب
رجوگن کی زیادتی مین مرتا ہے تو معمولی دنیا دارون کے گھر پیدا ہوتا ہے اور تموگن کی
زیادتی مین مرتا ہے تو جاہلون کے گھر پیدا ہوتا ہے۔ ارجن نے جب مہاراج سری
کرشن جی سے سوال کیا کہ جو شخص یوگ کا سادھن کرتے ہوئے قبل از تکمیل مرجاتا ہے تو
اُسکی کیا حالت ہوتی ہے اُسوقت مہاراج نے فرمایا کہ وہ دھرماتما والدین کے گھر پیدا
ہوتا ہے اور جو سادھن اُسنے گزشتہ جنم مین کیا تھا اُسکو جلد ختم کرکے آگے ترقی کرتا ہے
اے ارجن نکوکار کبھی غارت نہین ہوتا۔

پراربدھ کے معنی ہین شروع کیا گیا پس سنچت کرم کا وہ حصہ جس کو لیکر یہ جنم
شروع ہوتا ہے پراربدھ کہلاتا ہے۔ یوگ شاشتر مین پراربدھ کے تین نتائج بیان کئے
ہین ذات۔ عمر۔ اور بھوگ۔

اول ذات۔ ذات سے مراد برن سے ہے یعنی برہمن چھتری۔ ویش و شودر
جب سرگ کے بھوگ پورے ہوجاتے ہین تو جیو بذریعہ کارن شریر وہان سے نزول
کرتا ہے اور کام لوگ مین اُسکے پچھلے جنم کی خواہشون کے موجب اُسکا جسم لطیف
تیار ہوتا ہے۔ بعد ازان وہ رحم مادر میں داخل ہوتا ہے جہان مان باپ کے تخم سے اُسکا
جسم کثیف بنتا ہے اور مان کے خون سے پرورش پاکر نو مہینے بعد اس عالم مین پیدا
ہوتا ہے۔ پس مان باپ کے تخم سے بنا ہوا جسم اُنکے گنون کے بھی مطابق ہوتا ہے اور
اُس شخص کے اپنے گزشتہ جنم کے گنون کے بھی مطابق ہوتا ہے۔ اس لیے ضرور ہے کہ

جیوا ایسے ماں باپ کے یہاں بھیجا جائے جنکے گن اُس شخص کے گنون سے مطابقت رکھتے ہون تاکہ اُسکے سبھاؤ کے موزون جسم کثیف بنے اور اس عالم ظاہری میں اُس سبھاؤ کا مددگار ہو۔

دوم عمر جن گنون کی وجہ سے جیو کا جنم خاص والدین کے گھر ہوتا ہے۔ اُنھیں گنون کے نتائج سے اُسکو ایسا جسم کثیف ملتا ہے کہ جو ایک خاص مدت تک کام دے سکے یعنی اگر والدین توانا و تندرست ہین تو یہ جسم کثیف خوب مضبوط ہوگا جسمیں بہت کم زور جسم کے صلاحیت زیادہ عمر کی ہوگی۔ اگر ماں باپ کمزور یا بیمار ہیں تو اُسکا جسم کثیف کمزور یا بیمار ہوگا جو زیادہ مدت تک کام نہ دے سکیگا بس عمر بھی معمولی طور پر جسم کثیف کی بناوٹ سے قائم ہو جاتی ہے

سوم بھوگ۔ پیدایش سے بلوغ تک جو زمانہ گذرتا ہے اُس میں جو جو تکلیف یا آرام انسان کو پہونچتا ہے وہ سب پراربدھ کا نتیجہ ہے کیونکہ ان بھوگون کے حصول مین جیو کو ہنوز اختیار و قابو نہین ہے۔ باقی عمر کی بھوگ کچھ پراربدھ کا نتیجہ ہے کچھ پرشارتھ کا پس ذات ہوئی یا عمر ہوئی یا بھوگ ہوئے یہ سب پراربدھ کا نتیجہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعد بلوغ و تمیز نیک و بد جب سے کہ انسان کا نیا پرشارتھ شروع ہوتا ہے پراربدھ مین تبدیلی پیدا کرسکتا ہے یا نہین۔ چونکہ پراربدھ ہمارا گزشتہ پرشارتھ ہے اسلئے اُس میں حال کے پرشارتھ سے بے شک ہم تبدیلی پیدا کرسکتے ہین۔ غور کیجئے۔

(۱) بھوگ سن بلوغ تک جو تکلیف یا آرام ہمکو پہونچتا ہے وہ ہمارے اختیار سے باہر ہے کیونکہ پرشارتھ حال اب تک شروع ہی نہین ہوا۔ پراربدھ محض ہے۔ رہے باقی عمر کے سُکھ دکھ اُن مین بیشک ہم اپنے پرشارتھ سے تبدیلی پیدا کرسکتے ہین۔ روزمرہ دیکھنے مین

آتا ہے کہ ایک شخص غریب الدین کے گھر پیدا ہوا مگر اپنی کوشش سے اپنی حالت کو سوار لیتا ہے اور بہت آسائش اور آرام سے زندگی بسر کرتا ہے خلاف اسکے وہ شخص جسکو پراربدھ نے بہت آسودہ حالت مین رکھا تھا اپنی بدچلنی سے بہت بدتر حالت کو پہونچ جاتا ہے

(۲) عمر- بعض شخص شروع بلوغ میں بہت تندرست ہوتے ہیں مگر اپنی بے اعتدالی سے اپنی تندرستی بہت خراب کر لیتے ہین اور جلد مر جاتے ہیں برخلاف اسکے بعض شخص شروع جوانی میں کمزور رہتے ہین مگر اپنی عمدہ طرز زندگی سے بہت تندرست ہو جاتے ہین اور عمر دراز کو پہونچتے ہین۔ پرانوں مین ایک اشلوک ہے جسکے معنی یہ ہین کہ نیک افعال سے عمر بڑھتی ہے اور بدافعال سے گھٹتی ہے۔ ایک جگہ شاستر مین لکھا ہے کہ سالہائے شمسی یا قمری سے عمر قائم نہین کیجاتی کیونکہ جس جگہ وہ قائم کی جاتی ہے وہاں شمس و قمر نہین بلکہ سوانس یعنی انفاس سے قائم کی جاتی ہے۔ ہر شخص معین مقدار انفاس اپنی پراربدھ کے مطابق پاتا ہے جب یہ مقدار پوری ہو جاتی ہے تو اسکی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تموگن میں سب سے زیادہ سوانس چلتی ہے رجوگن مین اس سے کم اور ستوگن میں اس سے بھی کم پس نیک افعال جو ستوگن کا نتیجہ ہین ممد حیات ہوتے ہیں اور بدافعال جو رجوگن و تموگن کا نتیجہ ہین مضر حیات ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یوگ سے عمر زیادہ ہو جاتی ہے۔

(۳) ذات- کوئی فرضی چیز نہین جیسا کہ اس زمانہ مین سمجھی جاتی ہے۔ اپنے اور والدین کے گنون کی مجموعی حالت یا سبھاؤ سے ذات بنتی ہے بھگوت گیتا مین چاروں برن کے سبھاؤ بیاں کیے ہین اور یہ بھی کہا ہے کہ سبھاؤ بہت زبردست چیز ہے۔ پس سبھاؤ مین تبدیلی بتدریج ہوتی ہے اسی واسطے ذات مین تبدیلی عموماً ایک جسم مین نہین ہوتی۔ بعض صاحبون کا یہ خیال ہے کہ ذات کرم پر موقوف ہے نہ والدین پر جو جس برن کے کرم کرتا ہے وہی اسکی

ذات ہے غور کیجیئے۔ اِنسان کا جسم کثیف والدین کے تخم سے بنتا ہے اور اُسکے سبھاؤ اس مین آتے ہین لہذا جس جسم مین ایک برن کے ذرات ہین وہ دوسرے برن کے کرم کرنے سے یکایک کیونکر تبدیل ہوجاوینگے۔ سات برس سے کم مین کل ذرات جسم کا اخراج نہین ہوتا پس اگر انسان قانون کرم کا پورا علم رکھتا ہو اور پورا ضابطہ بھی ہو (جو یوگی کے سوا ممکن نہین) تو سات سال مین وہ ذات تبدیل کرسکتا ہے لہذا ذات کی بنیاد گن کرم اور والدین مینون پر ہے اب دونون ذاتین ایسی مخلوط ہوگئی ہین کہ گن کرم کا تو کچھ پتا ہین محض والدین پر منحصر ہین مگر پہلے ایسا نہ تھا۔

بیان مذکور الصدر سے واضح ہے کہ ہم اپنے برار مدھ مین موجودہ پرشارتھ کے ذریعہ سے تبدیلی پیدا کرسکتے ہین۔ ایک گیند جو ہم نے سطح زمین پر پھینکی وہ ایک خاص سمت کو رفتار معین سے جارہی ہے اگر ہم اُس گیند مین اب ایک اور زور لگادین تو ہمارے منشا کے موافق اُس گیند کی سمت اور رفتار دونون مین تبدیلی ہوسکتی ہے۔ مگر ایسا کرنے کے لئے ہم کو قوانین حرثقیل کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح جو قوانین کرم سے واقف ہین وہ پرشارتھ حال کے ذریعہ سے برار مدھ مین مطلوبہ تبدیلی پیدا کرسکتے ہین مگر اسکے لئے علم و تپ کی ضرورت ہے جو معمولی آدمی کے بوتے کی نہین البتہ اعلے درجہ کے اِنسان کرسکتے ہین۔ لیکن معمولی آدمی بھی اپنے پرشارتھ سے تدریج اپنے آپ مین یہ قوت پیدا کرسکتا ہے بشرطیکہ علم حاصل کرے اور اُسکا عامل ہے چنانچہ اعلے درجے کے اِنسان بھی کسی وقت معمولی آدمی تھے جو اپنے پرشارتھ سے اس اعلیٰ مرتبہ کو پہونچے ہین۔ ایک دریا جو کسی سمت کو معین تیزی سے بہہ رہا ہے اُس مین جب دوسرا دریا آکر ملتا ہے تو اُسکی سمت اور تیزی دونون مین تبدیلی پیدا کرتا ہے اسی طرح جو کوشش نیکی کی جانب

قوانین کرم کے بغیر سمجھے بھی انسان کرتا ہے وہ رائیگاں نہین جاتی بلکہ بتدریج پرار بدھ کے ذریعہ سے تبدیلی بجا سب مطلوب پیدا کرتی ہے جسقدر پرشارتھ مین زور ہوگا اُسیقدر پرار بدھ مین تبدیلی پیدا کرسکیگا۔ اِسکے یہ معنی نہین کہ کرم کے نتائج دور ہوسکتے ہین یا اُنمین کمی بیشی ہوسکتی ہے بلکہ یہ معنی ہین کہ اُنکا بدل ہوسکتا ہے معمولی آدمی اپنی کوشش سے یہ تبدیلی بتدریج پیدا کرتا ہے اور غیر معمولی انسان اپنے علم و تپ سے تبدیلی مطلوب جلد پیدا کرلیتا ہے مگر کفارہ یعنی بدل مناسب ہر صورت مین درکار ہے بلا کفارہ کے نتائج اعمال سے کسی طرح انسان بچ نہین سکتا۔ مقدار معین سے زیادہ کھانا کھالیا پیٹ مین درد ہوگیا دوا اور ورزش سے ہاضمہ درست ہوکر وہ درد جاتا رہا بس یہی اُسکا کفارہ ہے یہی کیفیت کل مضمون پرار بدھ اور پرشارتھ کی سمجھو۔ اگر پرار بدھ مین کفارہ نہوتا انسان ترقی نہ کرسکتا۔

سیٹھانی رشی جی مہاراج کے گھر مین حاضر ہوئین اور ماتا جی کو اپنی محبت و خدمت سے خوش کیا۔ ماتا جی نے کل کیفیت اُن کی پوچھی معلوم ہوا کہ اُنکو اولاد کے نہونے کا بڑا غم ہے۔ ماتا جی نے براہ رحمدلی رشی جی مہاراج سے سفارش کی مہاراج نے اپنے یوگ بل سے دریافت کیا کہ یہ سابقہ جنم کے ایک کرم کا نتیجہ ہے۔ اُنھون نے فرمایا اگر یہ دونون شخص پرائشچت کرین یعنی چھ ماہ تک برہم چرج سے رہکر دن مین ایک وقت ستو گنی کھانا کھاکر صبح شام نہاکر اور دل یکسو کرکے اِس منتر کا پانچ پانچ ہزار مرتبہ جپ کرین تو اُنکے پتر ہوگا۔ چنانچہ دونون نے گھر پہونچکر اسپر عمل کیا اور اُنکے یہان جیتا جاگتا پتر پیدا ہوا۔

آزادی

بل بے آزادی خوشی کی روح امیدون کی جان	بلبلہ سان دم سے تیرے پیچ کھاتا ہے جہان
ملک و بیاکے تیرے بس یک کرشمہ پر لٹے ہیں	خون کے دریا بہائین نام پر تیرے مرین

ہائے کیسی رستگاری ہائے آزادی نجات
مقصد جملہ مذاہب ہے فقط تیری ہی ذات

اونگلیون پر بچے گنتے رہتے ہیں ہفتے کے روز
کیسے دن ہیں آئیگا یکشنبہ آزادی فروز

صاحبو یہ نیند بھی میٹھی نہ لگتی اس قدر
قید تن سے دو گھڑی دیتی نہ آزادی اگر

قید مین پھنسکر تڑپتا مرغ ہے حیران ہو
کاش آزادی ملے تن کو نہین تو جان کو

لمحہ جو لذت مزے کا تھا وہ آزادی کا تھا
سچ کہین لذت مزا جو تھا وہ آزادی ہی تھا

کیا ہی آزادی جہان جب جیسا جی چاہے کرین
کھانا پینا عیش و عشرت مین یہ سب ان کاٹ دین

رم برانڈی کی مقید سچی آزادی سے دور
ہو گئے نشہ یہ لٹو بہر آزادی سرور

کیا یہ آزادی ہے صاحب یہ تو آزادی نہین
گوے چوگان کی پریشانی ہے آزادی نہین

اسپ ہو آزاد سرپٹ قید ہوتا ہے سوار
اسپ ہو مطلق عنان حیران روتا ہے سوار

اندریون کے گھوڑے چھوٹے باگ ڈوری توڑکر
وہ مرا وہ گر پڑا اسوار سر منھ پھوڑ کر

جان من آزاد کرنا چاہتے ہو آپ کو
کررہے آزاد کیون ہو آستین کے سانپ کو

ہاں وہ ہے آزاد جو قادر ہے دل پر جسم پر
جسکا من قابو مین ہے قدرت ہے سکل و اسم پر

گیان سے ملتی ہے آزادی یہ راحت میسر
وار کر پھینکون مین اسیر دو جہان کا مال و زر

فصل ہشتم

رُوح کی تعلیم و تربیت

ایک بار سوامی جی سے مین نے سوال کیا کہ مہاراج اگر خدا قادر مطلق اور عین رحم ہے جیسا کہ آپ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے تو دنیا مین اس قدر تکلیف کیون ہے؟ اس تکلیف کے دیکھنے سے تو یہ شبہہ ہوتا ہے کہ یا تو خدا قادر مطلق نہین یا پورا رحیم نہیں

کیونکہ جہان قدرت اور رحم دونوں جمع ہوں وہاں تکلیف کا کیا کام۔ ہم اپنے بچوں کو مقتضائے محبت راحت پہونچانے کی کوشش کرتے ہین جہانتک کہ ہم کو قدرت ہے پھر بھی پورا پورا آرام نہین پہونچا سکتے کیونکہ ہم مجبور ہیں۔ بعض لوگ ہم سے زیادہ اپنے بچون کو راحت رسانی کی قدرت رکھتے ہیں مگر وہ اسلئے نہین پہونچاتے کہ اُنکے دل مین کافی محبت نہیں ہے۔ اگر انسان کو پوری محبت اور پوری قدرت حاصل ہو تو میرے خیال مین اُسکے بچون کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچے بلکہ وہ کامل آرام کے ساتھ زندگی بسر کرین۔ چونکہ خدا قادر مطلق اور عین رحم ہے اور اپنے بچون کو سرور دائمی کے لئے پیدا کرتا ہے تاہم تمام عالم مصیبت مین مبتلا ہے کوئی متنفس رنج والم سے خالی نہین اس حالت سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ منجملہ اُن دو صفات کے ایک صفت مین وہ ناقص ہے اگر قادر مطلق ہے تو کامل رحیم نہین اور اگر رحم مین کامل ہے تو پوری قدرت نہین رکھتا ورنہ یہ عالم بہشت ہوتا اور ہر فرد بشر فرشتہ صفت خوش وخرم اپنی حالت موجودہ میں مسرور رہتا پس اگر خدا مجبوری وناچاری کی وجہ سے ہماری مدد نہین کرسکتا تو اُس کی پرستش لاحاصل ہے ع پیرخود درماندہ شفاعت کرا کند۔ اور اگر وہ رحیم نہیں کہ سب کے ساتھ یکسان محبت رکھے بلکہ کسی سے دوستی کا برتاو کرتا ہے اور کسی سے دشمنی کا تو ایسے خوفناک خدا کو دور ہی سے سلام ہے۔ سوامی جی معاف کیجئے یہ سوال کفر پر مبنی ہے مگر مین کافر نہین ہون بلکہ اس مسئلہ کی تحقیق چاہتا ہون تاکہ میرے دل کا تردد رفع ہوجائے۔

سوامی جی نے فرمایا کہ آپ نے یہ سوال حد کفر تک نہین پہونچایا کیونکہ منکر خدا تو نہیں ہو دہریئے۔ نیچریئے۔ اور آج کل کے علوم مادہ کے عالم تو سرے سے خدا کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے کیونکہ اُن کی رائے میں صرف قوائیں قدرت انتظام عالم کے لیئے کافی ہین

اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مین پہلے وجود خدا کی نسبت چند دلائل پیش کرون اسکے بعد آپ کے سوال کا جواب دونگا - یہ بحث ہے تو بڑی طول طویل مگر مین مختصر ہی بیان کرتا ہون -

(۱) یہ تو ثابت ہوچکا کہ انسان کی فطرت مین سچدآنند کی طلب ہے کیونکہ سچدآنند ہی اُسکی اصل ہے اور وہ ہمیشہ اپنی اصل کی طرف رجوع کرتا ہے ؎

این کسے دا مد کہ رو رسے زندہ بود	از کف آن جان جان جامی رلود

بھگوت گیتا مین لکھا ہے کہ میرا انس یعنی جز اس عالم میں جیو ہو کر قلب اور حواس کے ذریعہ سے سنسار کا بھوگ کرتا ہے اور جب سیر ہوجاتا ہے تو ترک و تجرید اختیار کرکے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتا ہے اور حصول تکمیل کے ذریعہ سے مرجع اصلی کو پہونچا چاہتا ہے توریت مین بھی آیا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے یعنی اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے ؎

عین دریاست حباب بہ نگاہ تحقیق	ورنہ این قطرہ چرا شورش دریا میکرد

قرآن مین بھی آیا ہے "نفخت فیہ من روحی" پھونکی ہم نے انسان مین اپنی روح پس سچدآنندالیشور کا وجود ضرور ہے جسکی طرف اُسکا جز انسان ہمیشہ رجوع کرتا ہے اور تا وقتیکہ مرتبۂ کمال کو نہیں پہونچتا سعی و کوشش سے باز نہیں رہتا ؎

عین ہستی خود توئی پس از تو چون منکر شویم	حجت ہستی نشست این حجت وانکار ما

(۲) اگر آپ رستہ مین ایک پتھر دیکھین اور کوئی پوچھے یہ کہان سے آیا تو غالباً آپ یہ جواب دینگے کہ مادہ کے ذرے جمع ہوتے ہوتے ایک عرصۂ دراز میں پتھر کی صورت پکڑ گئے - اچھا آگے چلکر ایک گھڑی پڑی پائیں اور سائل وہی سوال کرے تو پہلا

جواب کافی ہوگا کیونکہ اُسکے مختلف پرزون کی ترتیب ایک غرض خاص کا پتا دیتی ہے غالبًا آپ یون کہیں گے کہ صناع سے یہ گھڑی اظہار وقت کے لئے بنائی ہے۔ اسیطرح کسی بن میں گذر ہوا اور وہاں آپ سے پوچھا جائے کہ یہ درخت کہاں سے آئے تو کیا جواب دوگے۔ شاید یہ دوگے کہ یہ تو خودرو ہیں۔ تخم نکلے۔ مگر ایک کمرہ مین میز۔ کرسی وغیرہ سب سامان مرتب رکھا ہو تو کیا اُسکی نسبت بھی یہی جواب دے سکتے ہو کہ خودرو بین نہیں بلکہ اُن کی ساخت و ترتیب جو غرض خاص کے لئے کی گئی ہے ایسا جواب دینے سے مانع ہوگی۔ لامحالہ آپ کہین گے کہ یہ اشیا انسان نے اپنی آسایش کے لئے بنائی اور ترتیب دی ہیں۔ اگرچہ پھر اور درخت کی ساخت میں بھی صنعت و حکمت ہے مگر ہماری چشم بصیرت دوربین نہیں اس لئے ہم اُن کی غرض وغایت کو سمجھ نہیں سکتے۔ گھڑی اور میز کرسی وغیرہ کی صنعت و ترتیب ہم کو صاف صاف معلوم ہوتی ہے۔ اگر انسان غور کرے تو معلوم ہوگا کہ اس عالم کے کل پرزے ایسی صنعت کے ساتھ بنائے اور ایسی حکمت سے ترتیب دئے گئے ہیں اور ایسے اتحاد کے ساتھ کام کرتے ہیں کہ بغیر ایک صانع فہیم کے محض مادہ ہرگز نہین بنا سکتا۔ قوانین قدرت اپنے معنن کے وجود پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ بغیر واضع معنن کے قانون کی ہستی ہو نہیں سکتی۔ پس کل عالم میں خاصکر انسان کی ساخت مین صنعت عجیب اور ترتیب غریب اور ضوابط دائمی کی پابندی کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک صانع حقیقی اس عالم کا ضرور ہے جسکی عقل کل اور قدرت کاملہ سے نظام عالم قائم ہے ؎

کار کن در کارگہ باشد نہان	تو برو در کارگہ بینش عیان

(۳۲) ہر قوم و ملت کے کاملین کا اس پر اتفاق ہے کہ ذات باری کے قرب سے ہی

انسان کامل ہوسکتا ہے اسکے سوا کوئی اور صورت حصول کمال کی نہین ہے اور اُس کا ذاتی تجربہ ہے کہ جسقدر اس ذات پاک کا قرب انسان کو ہوتا ہے اسی قدر اُس کا علم و سرور زیادہ ہوجاتا ہے جس نے ایک جھلک بھی جمال ذات کی دیکھ لی اُسکی نظر مین دنیا و مافیہا کی راحت ہیچ ہوجاتی ہے ؎

	ہرکہ از دیدار برخوردار شد	
	این جہان در چشم او مردار شد	

اور جو لوگ معرفت این کمال کو پہونچتے ہیں اُنکے علم و سرور کا تو کچھ بیان ہی نہیں ہوسکتا ؎

آن گروہے کہ رہ بیدار او بود چرخ و مہر و ماہ ستان آرد سجود

تو پاشتر اُپنشد میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رشیون نے جمع ہوکر بچار کیا کہ اس عالم کا صانع اور منتظم کون ہے؟ اول اُنھوں نے اُن مسائل پر غور کیا جو اُس وقت رائج تھے چنانچہ کال ۔سبھاؤ ۔نیت ۔یدرچھا ۔پرکرتی ۔پرش ۔یہ چھ چیزیں جدا جدا مختلف فرقون کے نزدیک موحد عالم سمجھی جاتی تھیں

(۱) ایک فرقہ کا عقیدہ ہے کہ کال یعنی زمانہ موحد عالم ہے عالم کی آفرینش اور بقا و فنا سب کال ہی سے ہوتی ہے کل تغیرات کال ہی کرتا ہے ۔ سمندر کی جگہ پہاڑ اور پہاڑ کی جگہ سمندر ۔بیابان کو آبادی اور آبادی کو بیابان ۔کال ہی بناتا ہے اقوام کا عروج و زوال علوم و فنون مین پایۂ بلندی پر پہونچنا اور پھر جہالت میں غرق ہوکر فنا ہوجانا یہ سب کال ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے ۔غرض کال سب سے زبردست ہے کوئی اسکا مقابلہ نہین کرسکتا ۔بڑے بڑے بہادر سورما ۔سلاطین اعظم ۔حکمائے نامدار علمائے فضیلت شعار امرائے کامگار سب کو وہی بناتا اور انجام کار فنا کردیتا ہے ؎

کہاں ہے دارا کہاں سکندر کہاں فریدون کہاں جشم ہے	
	یہ سب کے سب خاک کے تھے پتلے بگاڑ ڈالے بنا بنا کر

پس کال ہی اِس عالم کا موجد و منتظم ہے ۔ کوئی دوسرا نہین ۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ زمانہ پیدائش عالم کے بعد شروع ہوتا ہے کیونکہ سلسلہ واقعات کا نام زمانہ ہے اور سلسلہ واقعات ظہور عالم کے بعد ہوتا ہے لہذا زمانہ جوکہ عالم سے موخر ہے اسکا موجد نہین ہوسکتا۔ علاوہ ازیں زمانہ علیم و فہیم نہیں لہذا وہ عالم کا صانع نہیں ہوسکتا۔

(۲) دوسرے فریق کا دعوی ہے کہ سبھاؤ یعنی فطرت اِس عالم کی موجد ہے ۔ ذرات مادی کا سبھاؤ زمان لامحدود سے یہ چلا آتا ہے کہ وہ کشش اتصال سے کسی وقت خاص پر مجتمع ہوکر ظہور عالم کا سبب ہوئے ہیں اِسی طرح کسی وقت خاص پر کشش انفصال سے منتشر ہوکر خفاے عالم کا باعث ہوجاتے ہین اور یہ ظہور و خفا ہمیشہ یکے بعد دیگرے ذرات کے سبھاؤ سے ہوا کرتا ہے ۔ بھگوت گیتا میں ایک اشلوک ہے جس کے معنی یہ ہین کہ کرم اور کرم کا کرنا اور کرم کا پھل سبھاؤ سے ہوتے ہین ۔ ہر ایک شے اِس عالم مین اپنے سبھاؤ کے مطابق کام کرتی ہے ۔ خلاف اُسکے کوئی کچھ نہین کرسکتا۔ لہذا سبھاؤ ہی اِس عالم کا موجد و منتظم ہے ۔ اِسپر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سبھاؤ جو علیم و فہیم نہیں ہے وہ اتصال و انفصال ذرات اور اُن کی ترتیب مناسب کا موجد کیونکر ہوسکتا ہے۔ انتظام عالم کے دیکھنے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص غرض کے لئے عجیب و غریب صنعت کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے جسکا وجود بغیر صانع حکیم و فہیم کے ممکن نہین۔ پس سبھاؤ اِس کا موجد نہین ہوسکتا۔

(۳) تیسرے فریق کا دعوے ہے کہ نیت یعنی قانون ہی اِس عالم کا موجد ہے ۔ کیونکہ

کل عالم کا دارو مدار قانون پر ہے - ہر ایک شے پابند قانون ہے - ایک ذرّہ بھی خلاف ضابطہ کارروائی نہین کرسکتا - ہر ملک و قوم کا انتظام بھی قانون پر موقوف ہے بلکہ جمادات نباتات حیوانات اور انسان سب کے سب پابند قانون ہین - ہر قسم کی تکلیفات قانون کے برخلاف کارروائی کرنے سے پیدا ہوتی ہیں اور تمام تر راحت و آرام قانون کی پابندی سے حاصل ہوتے ہیں - پس قانون کے سوا کوئی موجد و منتظم اس عالم کا قرار نہین دیا جاسکتا اِس رائے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ عالم قوانین وضوابط کا پابند ہے لیکن قانون کا وجود اور اسپر عملدرآمد کرانا بغیر دانا اور زبردست مقنن کے نہیں ہوسکتا اسلیئے قانون بذات خود موجد عالم خیال نہیں کیا جاسکتا بلکہ خود اسکے واسطے ایک حاکم قوی کی ضرورت ہے -

(۴) چوتھے فریق کا بیان ہے کہ یدرچھا یعنی اتفاق ہی موجد عالم ہے - ذرّات مادّی اتفاقاً جمع ہوے اور اتفاقاً منتشر ہو جاتے ہیں اسلیئے ہر ایک شے اس عالم کے حالت تغیر مین رہتی ہے ایک حالت پر کسیکو قیام نہیں - اس تغیر تبدل کے دیکھنے سے یقین ہوتا ہے کہ ظہور عالم محض اتفاق پر مبنی ہے - اس رائے پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تغیر و تبدل تو بیشک اِس عالم میں ہو رہا ہے لیکن وہ اتفاقیہ اور بے قاعدہ نہین ہے بلکہ جو کچھ ظہور میں آتا ہے قواعد و قانون کے مطابق ہے لہذا یہ قول کہ اتفاق موجد عالم ہے قابل تسلیم نہین -

(۵) پانچوین فریق کا بیان ہے کہ پرکرتی یعنی مادہ ہی موجد عالم ہے اور اُس مین ذاتی قوت اِس قسم کی موجود ہے کہ وہ بوقت ظہور ترتیب خاص سے مرتب ہوکر آفرینش عالم کا سبب ہوتا ہے دہریون کے نزدیک مادہ ہی سب کارروائی کرلیتا ہے اور پابند ضوابط ہوکر تمام عالم کو ترتیب مناسب پر چلاتا ہے - اِس مسئلہ پر تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مادہ بذات خود علیم و فہیم نہین ہے وہ از خود پابند ضوابط کیونکر ہوسکتا ہے

اور ترتیب مطلوب کیونکر پیدا کر سکتا ہے لہذا یہ مسئلہ بھی قابل تسلیم نہیں۔

(۶) چھٹے فریق کا دعوی ہے کہ نرش یعنی قوت مادہ کو ترتیب مناسب دیکر باعث ظہور عالم ہوئی ہے علوم مادی کے عالم بیان کرتے ہین کہ مادہ مین ایک قوت لطیف مخفی ہے جو کہ اُسکو ترتیب مطلوب دیکر ضوابط خاص کے ذریعہ سے جنکو قوانین قدرت کہتے ہین اس عالم کو چلاتی ہے اور وہی قوت ایک وقت مقررہ کے بعد اس ترتیب کو توڑکر باعث خفای عالم ہوتی ہے۔ اس مسئلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ قوت بذات خاص علیم وفہیم نہین ہوسکتی لہذا وہ باضابطہ کارروائی بھی نہین کر سکتی البتہ قوت ایک علیم وفہیم مالک کے زیر ہدایت باضابطہ کارروائی کر سکتی ہے لہذا یہ بھی موجد اس عالم کا نہیں ہوسکتا

(۷) بعدہٗ انھون نے بچار کیا کہ اگر یہ چھ چیزین علٰحدہ علٰحدہ موجد اس عالم کی نہیں ہین تو شاید سب ملکر ہون اسپر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ اجتماع اشیا کسی خاص غرض کے لیئے اُسیوقت ہوسکتا ہے جبکہ انکو کسی ذیفہم نے ترتیب دیا ہو اجتماع اشیاے مذکور بغرض تکمیل انسان ہے پس وہ ازخود نہین ہوسکتا بلکہ کسی ذات فہیم کے منشا کے مطابق ہونا چاہیئے۔

(۸) پھر اُنھون نے یہ بچار کیا کہ جیو جسکی غرض سے یہ کل کارروائی ہے وہی اُسکا صانع وموجد کیون نہو۔ اسپر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جیو جو کہ علم وکم اختیار اور رنج وراحت میں گرفتار ہے موجد عالم نہین ہوسکتا پس یہ آٹھون چیزین ایجاد عالم کی قابلیت نہین رکھتیں۔

جب رشیون کو معلوم ہوا کہ ایجاد عالم کی نسبت جو مسائل مروج ہین وہ قابل اطمینان نہیں ہین تو اُنھون نے دلائل عقلی کو ناکافی سمجھکر بذریعۂ استغراق اس مسئلہ کو حل کیا چنانچہ سماد ھی مین اُنھون نے عالم کی کل کارروائی کو بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ ذات باری کی قوت ارادی کے ذریعہ سے کل عالم کا انتظام ہورہا ہے۔ یہی ذات واحد جو کل قیود

مکاں وزماں سے مبرا ہے ایسی لامحدود گیان شکتی اور کریا شکتی کے ذریعے کل عالم کو پیدا کر کے اسکو غیر متغیرہ ضوابط کا پابند بنائی اور انسان کی تکمیل کے لئے اسکو ترتیب مناسب پر چلاتی ہے۔ تب اُس کو تسکین ہوئی اور اُنھون نے چند اشلوک بایں معنی لکھے کہ ہم نے اُس پرم دیو پرمیشر کو جو تمام عالم کا صانع اور مالک ہے اور جو پرستش کے قابل ہے جانا۔ اسکی تجلی مثل آفتاب ہے اور وہ ہر قسم کی تاریکی اور راگیاں سے مبرا ہے اسی کے علم سے انسان موت پر غالب آتا ہے اور اُس سے رہائی پا کر مکت ہوتا ہے۔ بجز اسکے اور کوئی ذریعہ نجات کا نہین ہے۔

جب یہ امر طے ہو چکا کہ ایک صانع اور منتظم اس عالم کا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُسکی اصل غرض آفرینش عالم سے کیا ہے۔ اِس مسئلہ میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے

ایک فریق کہتا ہے کہ جب ذات باری کو تنہائی گران معلوم ہوئی تو اُسے اپنے دل بہلانے کو یہ عالم بطور تماشا بنایا۔

دوسرا فریق کہتا ہے کہ اُس ذات پاک کی نسبت گرانی عاید کرنا کفر ہے مگر ہان بطریق تمثیل یہ عالم ایک باغ پر بہار کے طور پر اُسنے تیار کیا ہے۔ جس طرح باغ میں مختلف قسم کے درخت اور پھل پھول ہوتے ہیں اسی طرح جمادات نباتات حیوانات اور انسان مختلف شکل وصورت اور مختلف رنگ ڈھنگ کے بنائے گئے ہین۔ ایک وضع کی مخلوق ہوتی تو باغ عالم مین کچھ رونق نہ ہوتی ع

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہان کو ہے زیب اختلاف سے

تیسرے فریق کا یہ قول ہے کہ عالم ایک کھیل ہے جسمین صانع عالم نے اپنے آپکو چھپایا ہے تمام انسان اور فرشتے اُسکی جستجو مین سرگردان ہیں جب اُسکو کوئی پا لیتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے اور اُس سے

کہتا ہے کہ تم بھی چھپ جاؤ تاکہ او رسب ہم کو ڈھونڈیں۔

چوتھا فریق کہتا ہے کہ خدا کچھ نہیں کرتا یہ کل اُسکی مایا کا کھیل ہے۔

اب غور کیجئے کہ ذات باری جو عین سرور ہے اُسکو تنہائی گران گزرنا یا تفریح کا محتاج ہونا یا اُسکا کھیلنا یا اپنی مایا کا کھیل دیکھنا کیسے لچر و بیہودہ خیالات ہین۔ انسان اپنی نادانی کی وجہ سے سچدآنند کے معنی پر تو غور کرتے نہیں خدائے تعالیٰ کو بھی ایک اعلیٰ درجہ کا انسان تصور کرکے اُس مین وہی صفات قائم کرتے ہین جو خود اُن مین پائے جاتے ہین اسی لئے بعض حکما کا قول ہے کہ خدا انسان کا بنایا ہوا ہے نہ کہ انسان خدا کا لہذا جس درجہ کا تعلیم یافتہ انسان ہوتا ہے اُسی درجہ کا اُسکا خدا ہوتا ہے وحشی انسان اُسکو مثل ایک ظالم بادشاہ کے تصور کرتے ہین۔ نیم تعلیم یافتہ اُسکو مہربان بھی سمجھتے ہیں اور غضبناک بھی دوستوں پر مہربان اور دشمنوں پر غضبناک۔ پورے تعلیم یافتہ اُسکو عین رحم سمجھتے ہین۔

حکمائے ہند جنھون نے علم معرفت مین کمال حاصل کیا پیدائش عالم کی غرض مسئلہ ”ایکو ہم بھوسیام“ کا بیان کرتے ہین۔ اِسکے معنی یہ ہین کہ میں ایک ہون بہت ہو جاؤن۔ جب پربرہم میں سچدآنند مرکز قائم ہوتا ہے تو اُس مین یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ جیسا میں اکیلا سرور ابدی سے مسرور ہون ویسے بہت سے اور بھی ہونے چاہئین لہذا پیدائش عالم کرنی چاہئے کہ جس میں سے مثل میرے تینون صفات مین کامل مخلوق برآمد ہو۔ پس حسب منشائے الٰہی ہر روح اس عالم مین ہمیشہ حصول سچدآنند کی کوشش کرتی ہے۔ یہ منشا سرشت عالم کا ہر معقول انسان کو قابل تسلیم ہوگا کیونکہ وہ رحم باری تعالیٰ پر مبنی ہے۔ سرور کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے مین محدود رہنا نہین چاہتا بلکہ ہر سمت پھیلنا چاہتا ہے خودی ہمیشہ راحت کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور انانیت حقیقی جو سرور دائمی ہے ہمیشہ

راحت رسانی سے خوش ہوتی ہے لہذا جسقدر انانیت حقیقی انسان مین ظہور کرتی جاتی ہے
اُسی قدر اُس مین بجائے حست کے خود ستائی کی زیادتی ہوتی جاتی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ کاملین ہمیشہ نگران رہتے ہیں کہ انسان خودی دور کرکے اُنکی توجہ
کے قابل بنجائے تاکہ اُسکو سرور سے جو اُنکو حاصل ہے مستفیض کریں۔ اسی واسطے
لکھا ہے کہ مریدکو مرشد کامل کی تلاش فضول ہے بلکہ خودی کی بیخکنی کرکے اپنے مین قابلیت
پیدا کرنی چاہیئے جب اُس میں حصول علم باطن کی قابلیت ہوگی تو مرشد خود اُسکو تلاش کریگا۔
چنانچہ جسوقت وہ کسی کو طالب صادق پاتے ہین تو اُنکو کمال خوشی ہوتی ہے کہ ہمارا ایک اور
بھائی جو مدت سے پردیس مین حیران و سرگردان تھا اب وطن کو واپس آنا چاہتا ہے ؎

خوشا وقتے و خرم روزگارے	کہ یارے برخورد از وصل یارے

جو محبت گرو کو اپنے چیلے سے ہوتی ہے اُسکی نظیر اس عالم میں نہین ہے۔ محبت
مادری بھی اس سے کچھ نسبت نہین رکھتی۔ مرشد کو اپنے مرید کی حفاظت اور ترقی روحانی
ہردم پیش نظر رہتی ہے اور وہ یہی زندگی کا مقصد یہی سمجھتا ہے کہ اپنے مرید کو اُس درجہ
کمال پر پہونچادے جو اُسکے حیطۂ اختیار مین ہے
قوانین کرم انتہا درجہ کے رحم پر مبنی ہین جب ہم اپنے گناہون کے نتائج پالیتے
ہیں تو اُنکے ناقص رنگ ہمارے تیجس سے دور ہوجاتے ہین اور ہم میں روحانی ترقی کی
قابلیت پیدا ہوجاتی ہے بشرطیکہ ہم آیندہ گناہ سے مجتنب رہین۔ قوانین ترحم و کفارہ بھی رحم پر
مبنی ہین۔ پس پیدائیش عالم۔ رہبری مرشد کامل۔ قوانین کرم۔ یہ تینوں باری تعالیٰ کے
رحم پر مبنی ہیں۔ چونکہ ہم عموماً انسان کو تکلیف مین پاتے ہیں کبھی نیکون کو تکلیف میں
اور بدون کو راحت مین دیکھتے ہین تو نادان بچون کی طرح ہمارے دل مین یہ خیال

پیدا ہوتا ہے کہ انصاف و رحم محض الفاظ ہین بے معنی - مگر جب انسان کی خودی دور ہوتی ہے اور اُسکی چشم بصیرت کھلتی ہے تو اُسوقت ترحم ربّانی نظر آتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ قوانین قدرت سراسر عدل و رحم ہیں

بعض اصحاب کا یہ اعتراض ہے کہ عدل و رحم دو صفات متضاد ہین جو ایک ہی وقت ذات واحد مین جمع نہین ہو سکتین - مگر اُنکے ذہن نے اِس وجہ سے مغالطہ کھایا ہے کہ اُنھون نے عدل و رحم کے معنی پر غور کامل نہین کیا - عدل کے معنی ہین برابری کے اور اس سے یہ مراد ہے کہ فعل مین اور اُسکے نتیجہ مین برابری اور مناسبت ہو - یہ نہو کہ اچھے کام کا نتیجہ بُرا اور بُرے کا اچھا ہو جائے یا کام اور نتیجہ کی مقدار مین مناسبت قائم نرہے رحم کے معنی ہین مہربانی اور اُس سے مراد یہ ہے کہ صاحب راحت و سرور کی یہ خواہش ہو کہ جو کوئی راحت و سرور مین ناقص ہے وہ بھی اُسکی حالت مین شریک ہو جائے لیکن ظہور اس صفت کا بصورت عدل ہوتا ہے یعنی جسقدر استعداد راحت کسی کو حاصل ہے وہ بقدر اپنی استعداد کے شریک راحت کیا جاتا ہے اسی کا نام افعال نیک کی جزا ہے اور جسقدر کوئی شخص راحت سے دور ہے اُسیقدر اُس مین استعداد راحت پیدا کی جاتی ہے اسی کا نام افعال بد کی سزا ہے اور سزا اسکو تکلیف مین ڈالتی ہے اور تکلیف کی وجہ سے وہ بدی سے متنفر اور نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے یہانتک کہ رفتہ رفتہ راحت کی استعداد حاصل کر کے صاحب رحم کی حالت راحت و سرور مین شریک ہو جاتا ہے - انسانی قوانین عدل اگرچہ کامل و بے عیب نہین ہوتے مگر اُن کی بنیاد بھی رحم پر رکھی جاتی ہے - اُن مین بھی انسان کی ترقی و بہبود ہمیشہ مد نظر رہتی ہے اور سزائے مجوزہ بھی اُنکی اصلاح پر مبنی ہوتی ہے نہ کہ دل آزاری پر - پس درحقیقت رحم و عدل ایک دوسرے کی ضد نہین ہین -

بلکہ رحم جو رحمت رسانی کی خواہش ہے اُسکا ظہور عدل کی صورت میں ہوتا ہے اور عدل کے دونوں نتیجے خواہ سزا ہو خواہ جزا گو ظاہر اختلف ہیں مگر مقصود دونوں کا ایک ہے چنانچہ آخر کار یہ دونوں تلخ و شیریں دھاریں بہتے بہتے رحم کے پاک سمندر میں غرق ہو جاتی ہیں غرض کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق کے لئے سراسر ترحم ہے۔ ترحم ہی سے پیدائیش عالم ہوئی ہے ترحم ہی کے ذریعہ سے ہم روحانی ترقی کرتے ہیں۔ ترحم ہی ہمارا مسرل مقصود ہے پس خدا کے عین رحم ہونے میں کلام نہیں۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ قادر مطلق بھی ہے یا نہیں۔ لیکن پہلے قادر مطلق کے معنی کا فیصلہ کرنا چاہیئے کیونکہ اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ دو فریق الفاظ زیر بحث کے معنی مختلف لیتے ہیں اسلئے مدت تک تکرار لفظی میں الجھے رہتے ہیں۔ لفظ قادر مطلق سے اکثر اشخاص یہ سمجھتے ہیں کہ جو ہر شے کے کرنیکی قدرت رکھتا ہو۔ یہ معنی ٹھیک نہیں ہیں کیونکہ محالات پر خدا قادر نہیں ہو سکتا مثلاً دو اور دو چار ہوتے ہیں خدا پانچ نہیں کرسکتا چونکہ وہ عین رحم ہے اسلئے بیرحمی نہیں کرسکتا کیونکہ اجتماع ضدین محال ہے اس سے کمال قدرت ایزدی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ پس لفظ قادر مطلق کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ جو ہر شے کے کرنے کی قدرت رکھتا ہو بلکہ یہ معنی ہیں کہ جو شے کرنے کے قابل ہو اُسکے کرنے کی قدرت کامل رکھتا ہو اور محتاج دوسرے کی مدد کا ہو۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ وہ ان معنی میں قادر مطلق ہے یا نہیں۔ انتظام عالم اور اُسکے قوانین اسراری کے دیکھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضرور قادر مطلق ہے مگر جب اُسکا منشا سرشت عالم سے یہ قرار دیا گیا کہ اُسمیں سے مخلوق قادر مطلق اور رحم مجسم مثل اُس ذات پاک کے برآمد ہو کر سرور ابدی سے مستفیض ہو اور چونکہ ہم یہ صفات انسان میں نہیں پاستے تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد کو پورا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا لہذا قادر مطلق نہیں۔ غور کیجئے۔

(۱) جبر و قدر ضدین ہین لہذا ایک ہی وقت ایک جگہ مین جمع نہین ہوسکتے۔ جبر مین کبھی قدرت پیدا نہین ہوسکتی قدرت ہمیشہ آزادی میں پیدا ہوتی ہے۔ اِس واسطے انسان کو آزادی عطا کی گئی کہ چاہے نیکی کرے چاہے بدی اور قوانین کرم کے بموجب ہر دو افعال کے نتائج کا تجربہ کرکے بذریعہ علم ذاتی بدی سے ہمیشہ پرہیز کرے اور نیکی پر قادر ہو۔ اگر وہ مثل ایک کھلونے کے نیکی کرنے پر مجبور کیا جاتا تو وہ نیکی پر ہرگز قادر نہوتا نیکی پر قادر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ نیکی و بدی کے نتائج کو بخوبی سمجھکر بدی کرنے سے باختیار خود بچے پس قدرت بلا تکلیف برداشت کئے پیدا نہیں ہوسکتی۔

(۲) کل صفات الٰہی روح میں پوشیدہ ہیں جن کا نشو و نما قانون باطنی سے ہوتا ہے نہ کہ خارجی قانون سے جمادات نباتات حیوانات جس خارجی قانون کے پابند ہیں اُسکی پابندی انسان کے لئے ہرگز نہیں۔ انسان کی ترقی خود اُسکے ہاتھ میں ہے اور یہ ترقی جبرا نہیں بلکہ تجربہ کی محتاج ہے البتہ حیوانات میں یہ تعلیم جبریہ ہے کیونکہ جانور اکثر بلا تکلیف و تجربہ محض بذریعۂ عقل حیوانی محفوظ رہتے ہیں۔ انسان بوجہ قوت ادراک جو جانورون میں نہیں ہے بذریعۂ ذاتی تجربات کے اُس اعلیٰ مرتبہ کو پہونچتا ہے جسکا حصول بذریعہ جبر ممکن نہین۔ تجربات بلا تکلیف نہین ہوسکتے پس روحانی ترقی کے لئے تکلیف کا سبق ضروری ہے۔

(۳) قدرت ہمیشہ علم سے پیدا ہوتی ہے اَلْعِلْمُ قُدْرَۃٌ مسئلہ مسلمہ ہے چونکہ روح مین علم مثل دیگر صفات باری محجوب ہے اور جب تک کہ روح مین تعین پیدا نہین ہوتا اُسوقت تک علم کا ظہور نہیں ہوتا اسلئے روح کو اجسام سے وابستہ کیا جاتا ہے تاکہ بذریعہ تجربات ذاتی کے ہفت طبقات عالم کا علم حاصل کرکے روح قادر مطلق بنجائے۔

(۴) رحم کی صفت بھی تکلیف سے پیدا ہوتی ہے جس کے پاؤن نہ جلے ہوں وہ پرائی

وہ کیا جانے پیر برائی ہ

کسی کی محبت کے داغ ہی سے	جو ہوا آشنا درد سے دل وہی ہے

جب تک ہمکو خود تکلیف نہین ہوتی اُسوقت تک ہم دوسرون کی تکلیف کو بخوبی سمجھ نہیں سکتے اور نہ اُنسے پوری پوری ہمدردی کرسکتے ہیں

ہماری تعمیر خارجاً نہیں ہوتی بلکہ باطناً ہوتی ہے اور جو جو تکلیفیں بوجہ نقائص یا بوجہ بدبختی ہین وہ گویا اینٹ پتھر ہیں جن سے آخر کار روح کا محل بنایا جائیگا اور وہ محل تکلیف زدہ بھائیون کی یاد دلا کر ہمدردی کی تحریک پیدا کرے گا اور دوسرون کی آرام کے لئے پیام رحمت ہوگا اگرچہ انجام مین تکلیف کا وجود باقی نہ رہیگا لیکن تعمیر مین تکلیف اٹھانا ضروری ہے۔ لہذا انسان کو فی الحال تکلیف مین دیکھکر یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ خدا اپنی مخلوق کو راحت پہونچانے پر قادر نہین بلکہ یہ نتیجہ نکالنا چاہئے کہ وہ اُسکو ضروری تکلیف کے ذریعہ سے سرور دائمی کے لئے تیار کرتا ہے۔

انسان اپنی غلط فہمی سے تکلیف کو مصیبت خیال کرتا ہے اگر غور کرے تو سمجھے کہ یہی رفیق صادق معلم کامل ہے اور اُسکے امراض کا طبیب حاذق۔ یہ تکلیف ہی کا تصدق ہے کہ انسان اِس عالم فانی سے دل برداشتہ ہوکر عالم باقی کی طرف رجوع کرتا ہے اگرچہ اکثر افراد انسان ایسے ہین کہ باوجود تکلیفات کے اِس عالم بے ثبات میں ہی اپنی بستر جمائے بیٹھے ہیں۔

ہزاروں اُٹھگئے لیکن وہی رونق ہے مجلس کی	خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی

خوب ہی ہوا جو یہان پوری آسایش اور جی بھر کے آرام میسر نہین ہوتا ورنہ کوئی بھلا مانس یہان سے جنبش نہ کرتا اور منشاے ظہور عالم بالکل فوت ہوجاتا بس ہماری اصلی بہبود کا باعث

تکلیف ہے تکلیف ہی کی بدولت علوم وفنون ایجاد ہوئے ہیں سڑکین ریل تار یہ سب
اُسی کے جلسے ہیں۔ چنانچہ مثل ہے کہ ضرورت اُم الایجاد ہے۔ اسی طرح علم باطن کا سراغ
جسکے توسل سے انسان سرور دائمی حاصل کرتا ہے اس تکلیف ہی کی رہبری سے لگا ہے
بلا امداد اس رفیق طریق کے انسان کچھ حاصل نہین کرسکتا۔ چونکہ تکلیف ہی انسان کو قادر
مطلق اور رحم مجسم سکا کر راحت دوام کو ہونچاتی ہے لہذا اُسکو پیام رحمت سمجھنا چاہئے۔ وہ
افسوس ونفرت کے قابل نہیں بلکہ خیر مقدم کے لائق ہے۔ یوں سمجھو کہ خداے تعالےٰ نے
بدین خیال کہ جور استاد بہ زمہر پدر۔ اپنے پیارے بچون کو ابتدائی تعلیم وتربیت کے لئے
معلمہ تکلیف کے سپرد کردیا ہے۔ اب اِس مہربان اُستانی کی تعلیم پر ذرا تفصیل کے ساتھ غور
وتامل کیجئے کہ وہ کیا کیا سکھاتی پڑھاتی ہے

(۱) روح بطور بچہ کے جب اس اجنبی عالم مین وارد ہوتی ہے تو پہلے پہل اشیا کا احساس
شروع ہوتا ہے منجملہ محسوسات کے بعض کو راحت رسان اور بعض کو تکلیف دہ پاتی ہے
پس احساس راحت کیطرف رغبت اور احساس رنج سے نفرت پیدا ہوتی ہے لہذا آرار
وہ چیزون کو چھوڑکر راحت بخش چیزون مین مستغرق ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ آخر کار رنج
ہوتا ہے۔ اپنشد میں ایک جگہ لکھا ہے کہ جسم ایک گاڑی ہے روح اُسکا سوار ہے حواس
گھوڑون کی طرح اُس میں جوتے ہین۔ من گاڑیبان ہے۔ یہ گھوڑے روح کو محسوسات
کی طرف کھینچے لئے جاتے ہین اگر گاڑیبان کو گھوڑون کی روک تھام پر قابو نہین تو یہ
منہ زور گھوڑے سوار کو محسوسات کے خارزار میں جا ڈالتے ہین اور وہ ہمیشہ رنج وبلا مین مبتلا
رہتا ہے۔ جبکہ بار بار یہ تجربہ ہوتا ہے کہ بلا تمیز نیک وبد محسوسات مین مستغرق ہوجانیکا
نتیجہ سوائے رنج وکلفت کے اور کچھ نہین ہے تو روح کو یہ علم ہوتا ہے کہ اِس عالم مادی میں

جسم کے متعلق کچھ ایسے قوانین بھی ہین جنکی پابندی لازم ہے اور جن کے خلاف کارروائی کرنے سے رنج پہونچتا ہے لہذا وہ قانون کے وجود سے آگاہ ہوکر حصول راحت اور دفع مضرت کے لیے تعمیل قانون پر آمادہ ہوجاتی ہے پس تجربات رنج سے اسکو قانون خارجی کا علم اور خودداری کا سبق حاصل ہوتا ہے اور یہ تکلیف کا پہلا سبق ہے۔

(۲) بھگوت گیتا مین لکھا ہے کہ خواہش ام التکالیف ہے جب تک انسان کو دنیوی اشیا کی خواہش لگی رہتی ہے اسوقت تک اسکو یہان آنا ضرور ہے خواہش ہی دور تناسخ کا سبب ہے کیونکہ جو انسان خواہشات نفسانی کی رسیون مین بندھا ہے وہ دوسری جگہ جا نہین سکتا اور خواہشات کا سلسلہ کبھی ختم نہین ہونے پاتا بلکہ ایک خواہش کے پورے ہوتے ہی دوسری شروع ہوجاتی ہے اور دوسری کے بعد تیسری غرض یہ سلسلہ غیر منقطع چلا ہی جاتا ہے اور راحت عارضی کے سوا اصلی راحت کبھی حاصل نہین ہوتی۔ جیسے آگ پر گھی ڈالنے سے آگ بجھتی نہین بلکہ اور بھڑک اٹھتی ہے یہی کیفیت خواہش کی ہے کہ جسقدر پوری ہو اسی قدر اس مین ترقی ہوتی ہے۔ خواہش روح کو بجاے باطن کے ظاہر کیطرف مائل کرتی ہے اور اسکو اس اعلی حالت سے باز رکھتی ہے جو اسکے باطن مین ہے۔ جب تک خواہش سے نجات نہین ہوتی تکلیف سے بھی انسان نہیں بچ سکتا لہذا اول خواہش کی جڑ کاٹنا ضروری ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواہش کیونکر دور ہو۔ مرض مصیبت افلاس رنج وغیرہ سے ہمکو علم ہوتا ہے کہ ہر شے عالم مادی مین متغیر اور فانی ہے پس اس طوفان تغیرات مین وہ جو غیر متغیر ہے سکون نہین پاسکتا کیونکہ از روے بطون ہم دائمی ہین نہ کہ عارضی۔ پس وہ شے جو کہ ہمیشہ تبدیل و فنا ہوتی رہتی ہے اور جسپر موت کا تصرف ہے وہ روح کے لیے اطمینان بخش اور راحت و سکون دائمی کی دینے والی نہین ہوسکتی

پس رنج کا تجربہ روح کو عالم ظاہری سے دل برداشتہ کرکے آخرکار اُس عالم کیجانب جہان
رحمت و سکون دائمی کا سرچشمہ ہے متوجہ کر دیتا ہے۔ لہذا انسان محسوسات بیرونی کو
چھوڑ چھاڑ کے اندرونی مکاشفات کیطرف مائل ہوجاتا ہے یعنی تلاش رحمت جو ابتک
اشیاء خارجی مین محدود تھی وہ حقائق باطنی کی طرف رجوع کرتی ہے جسم کو چھوڑکر دماغ
کیطرف توجہ ہوتی ہے کیونکہ راحت دماغی بمقابلہ راحت جسمانی زیادہ پائدار و لطیف
ہے جب بہیمی خصلت مطیع ہوجاتی ہے اور ذہن و ادراک مین مزہ ملنے لگتا ہے
تو انسان ایک اور ہی مخلوق ہوجاتا ہے۔ مذاق ذہنی بمقابلہ لذات حسی زیادہ دل کش
معلوم ہوتا ہے اس حالت مین فلسفہ مذہب علوم و فنون ترقی پاتے ہین وہ لوگ انسانی
ترقی کے معاون ہین جو جسم کو چھوڑکر دماغ کی طرف توجہ کرتے ہین اور زیادہ پائدار لذات
کے جویان ہین حالانکہ جسکو اب مستقل و پائدار سمجھے ہین آیندہ وہ بھی عارضی ثابت ہوگا تاہم غنیمت ہے
کہ جسم سے دماغ کیطرف عروج کیا جائے یعنی محسوسات سے تصورات کیطرف حواس ظاہری سے
حواس باطنی کی طرف۔ جب انسان خارجی اشیا سے مدرکات کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو
آپس کا بغض و حسد عناد و فساد کم ہوجاتا ہے کیونکہ مقاصد خواہش طبقہ مادی کے محدود
ہین اور اُن مین ہر شخص شرکت چاہتا ہے لہذا نزاع و خصومت پیدا ہوتی ہے اور مذاق
ذہنی بمقابلہ اسکے غیر محدود ہین اسلئے وہ موجب رشک نہیں ہوتے۔ اگر ایک کا مذاق
اعلی ہے تو دوسرے کے لیئے یہ امر وجہ افلاس نہین۔ اگر ایک کا حصہ زیادہ ہے تو
یہ زیادتی دوسرے کا حصہ کم نہین کر دیتی۔ پس ذہنی ترقی پاکر انسان بجائے حریف
ہونے کے ایک دوسرے کے معاون ہوتے اور اخوت و الفت کا سبق سیکھتے ہین
کیونکہ اب حیات اعلی کی طرف بازگشت شروع ہوئی ہے۔ اور اُس جہان مین بخشش ہی

بخشش ہے یہ خواہش نہین کہ ہمکو تنہا ملے۔ وہان خست اور شکایت کا موقع ہی نہین کیونکہ ہر شخص دوسرے کے شریک حال ہو کر بخشش کرنے سے محتاج ہیں ہو جاتا۔ لیکن روح کو یہان بھی اطمینان نہیں کیونکہ خواہش موجود ہے۔ محسوسات کی نہ سہی تقدورات کی خواہش تو باقی ہے اور جب تک یہ خواہش کا کانٹا کھٹکتا ہے خوشی معلوم۔ کیونکہ خواہش کا تو خاصہ ٹھہرا کہ کبھی ختم نہیں ہوتی۔ پس خوشی اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ عارضی سے دائمی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اگر تمھارا طریقہ اہتمات کا یہ راگ رہا ہے تو گو کیسا ہی مہذب کیوں نہو تم ایسی راہ جا رہے ہو سکی کہین انتہا نہیں۔ اس راہ میں تم ہمیشہ غیر آسودہ رہو گے اور وہ راحت کبھی نصیب ہو گی جو طبعًا روح انسانی کی منزل مقصود ہے غرض کچھ عرصہ کے بعد عدم آسایش یعنی تکلیف سے روح کو یہ علم ہوتا ہے کہ یہ راہ بھی راحت دائمی کو نہین پہونچاتی لہذا اسکا ترک بھی لازم آیا ہے۔ پس لذات حسی اور مذاق ذہنی دونوں کا ترک تکلیف کا دوسرا سبق ہے

(۳) انسان غور کرتا ہے کہ تلاش راحت میں خواہش کے ساتھ ساتھ باہر پھرا ناکام رہا۔ دماغ کی طرف رجوع کی محروم رہا (دماغ بھی بمقابلہ روح خارجیات سے ہے) ہر جگہ راحت کے بدلے تکلیف ہی پائی ۵

قدم نامبارک و مسعود		چون بدریا رود بر آرد دود	

غرض کہ عدم آسودگی سے تنگ آکر انسان خارج سے پھر باطن کی طرف دوڑتا ہے اور دماغ کو چھوڑ کر اندرون دماغ کی طرف تلاش کرتا ہے۔ البتہ یہان آغاز سکون نظر آتا ہے اور راحت اصلی کی جھلک دکھائی دیتی ہے مگر یہان بھی تکلیف کے احاطہ سے باہر نہین ہوا کیونکہ ہنوز مرکز راحت ہیں ملا گو اسکو یہ علم ہو گیا کہ مین جسم نہین دماغ نہین لیکن تاہم ایک اندرونی کلفت محسوس ہوتی ہے اور خلاف طبع کارروائی ناگوار گذرتی ہے۔

گو ظاہر میں نہیں مگر باطن میں کوئی خلش باقی ہے اور وہ ایک لطیف خواہش ہے جو شانتی میں خلل ڈالتی ہے اس پر غور کرتا ہے کہ یہ تکلیف کہاں سے آئی تو سمجھ میں آتا ہے کہ ابھی خودی باقی ہے ابھی نفس کامل نہیں ہوا۔ اگر کامل ہو گیا ہوتا تو کسی شے کی مجال نہ تھی کہ اسکو تکلیف پہونچا سکے۔ یہ جو تکلیف کا احساس باقی ہے یہی خامی نفس کی علامت ہے چونکہ نفس طبیعت مادے سے آزاد ہو کر پورے طور پر مشغول باطن نہیں ہوا ہے لہذا اس تکلیف کی رہنمائی سے اور رہبر کامل کی دستگیری سے پھر باطن در باطن کی طرف رجوع کرتا ہے اور جب تک تکلیف کی پھانس چبھی رہتی ہے وہ اپنی جد و جہد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا اور اسوقت اطمینان پاتا ہے جبکہ تکلیف کا احساس قطعاً بند ہوتا ہے اور یہ سوفت ہوتا ہے جبکہ خودی قطعاً نیست و نابود ہو جاتی ہے اور کوئی خواہش ہی باقی نہیں رہتی کہ باعث تکلیف ہو یہ خودی کی بیخکنی تکلیف کا تیسرا سبق ہے۔

(۴) اس اعلیٰ مرتبت روح کو معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کی غایت محض انسانی تکمیل نہیں بلکہ تکمیل دور موجودہ ہے اور تکمیل انسانی کسی اور تکمیل کا دیباچہ ہے۔ چنانچہ جو لوگ زمانہ موجودہ میں صاحب کمال ہوئے ہیں وہ نروان کے سکون کو چھوڑ کر دور ظہور میں بخوشی پھر آتے ہیں نہ اس غرض سے کہ تعلیم حاصل کریں بلکہ اس غرض سے کہ اپنے تکلیف زدہ بھائیوں کی مدد کریں اور تجربات حاصل شدہ سے انکے ہادی بنیں۔ نہ صرف اس دور ظہور میں بلکہ ظہور آئندہ میں بھی معمار اور فرشتے بنکر نوع انسان کے ہادی و معلم ہوں یہ کام حیون مکتوں کا ہے۔ سالک طریقت ہمیشہ تکلیف کو برضا و رغبت پسند کرتا ہے تاکہ اسکے ذریعہ سے ہمدردی کا سبق حاصل ہو۔ بغیر ہمدردی کے بہت قوی نفس بھی ناکارہ ہے کیونکہ منشاء سرشت عالم سے مخالف کرتا ہے۔ طالب کو ہماری دنیا کی

تکلیفات کا حس جسقدر ہوتا ہے اُسی قدر اُسکے دل میں اِن تکالیف کے دفعیہ کا جوش پیدا ہوتا ہے نفس وہ مجاہد ہے کہ جو کسی وقت کائنات کا مرکز بنیگا اور ہر دور ظہور میں یہی جوش ہمدردی پیدا ہوکر اوروں کی امداد کا پیام رحمت ہوگا۔ پس تعلیم ہمدردی تکلیف کا چوتھا اور آخری سبق ہے

وہ لوگ غلطی پر ہین جنکا خیال ہے کہ تکلیف ہی ہر شے کا انجام ہے۔ کیونکہ روح عین شادمانی ہے نہ کہ رنج۔ راحت محض ہے نہ کہ تکلیف۔ اور طریقت محض طریقت ہے نہ کہ منزل مقصود۔ طریقت غم محض وسیلہ ہے نہ کہ غایت کیونکہ وہ بحر شادمانی جہان سے کائنات کی ابتدا ہوئی ہے راحت دائمی کا مبدا ہے اور عالم ظہور مین بھی روح کا ورثہ ہے تکلیف کا تصرف محض غلاف مین ہے جو کہ روح کا ملبوس ہے جوہر اصلی اِس سے پاک ومنزہ ہے لہذا تکلیف تمھاری نظر کو شادمانی کیطرف سے نہ روکے اور مکروہات فانی تم کو خیال شادمانی سے محروم نہ کریں۔ کائنات کا لفظ خاتمہ شادی ہے اور انسانیت کا ماحصل سرور آزادی۔

انسان کی تعلیم صرف تکلیف ہی سے مکمل نہین ہوتی البتہ جب تک وہ بچپن کیحالت مین ہے اُسوقت تک اُس سخت مزاج معلم کے تشدد سے ہی کچھ سیکھتا ہے۔ مگر جب کچھ شعور آجاتا ہے تو پھر نرم مزاج بچارنامی اتالیق سے بھی سبق لیتا ہے۔ یہ صاحب بہت ملائم طریقے سے تعلیم دیتے ہین۔ انکا طرز تعلیم اس طور پر ہے۔ اے عزیز تم راحت دوام کے متلاشی ہو کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ رنج وکلفت تم کو ہمیشہ ناگوار خاطر ہوتے ہین مگر افسوس ہے کہ تم راحت کا فلسفہ سمجھے ہی نہیں اِس لئے تلاش راحت میں قدم قدم پر ٹھوکرین کھاتے ہو اور انجام کار بجائے راحت کے تم کو رنج ہی نصیب ہوتا ہے۔ اب مین تمکو علم راحت کی تعلیم کرتا ہوں اور راحت کا فلسفہ سمجھاتا ہوں بغور سنو اور اسپر عمل کرو تو راحت دوام تم کو ضرور حاصل ہوگی۔

(۱) سبق۔ ست اور است کا بیبک یعنی باقی و فانی کی تمیز

عزیزمن! اگر تم اپنی فطرت کو نظر غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ دو مختلف قوتیں تمکو اطراف مقابل میں کھینچتی ہیں۔ طینت اعلی ہمیشہ اس مقام مقدس کیجانب جذب کرتی ہے جو قیود مکان وزمان سے مبرا ہے۔ اسی لئے تمکو مرنا کبھی پسند نہین آتا۔ علم محدود سے تمہاری سیری نہیں ہوتی رنج ہمیشہ ناگوار ہوتا ہے اور تم حیات ابدی علم کل اور سرور دائمی کے ہمیشہ متلاشی رہتے ہو۔ طینت ادنی تمکو لذائذ حسی کی طرف مائل کرتی ہے اور باوجود تکالیف گوناگون ہمیشہ فانیات ہی کی طرف راغب رکھتی ہے طینت اعلی تمکو ببیک ویراگ دیا شانتی وغیرہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور طینت ادنی کام۔ کرودھ۔ لوبھ۔ موہ وغیرہ کی طرف لیجاتی ہے طینت اعلی تم کو دھرم اور نیکی کیجانب مائل کرتی ہے طینت ادنی تمکو ادھرم اور بدی کے لئے اکساتی ہے طینت اعلی ہمیشہ تحسین سے خوش ہوتی ہے طینت ادنی ہمیشہ حظ ذاتی کی خواہشمند رہتی ہے طینت اعلی تم کو محبت و ہمدردی کی طرف مائل کرتی ہے طینت ادنے تمکو بغض وحسد کی طرف کھینچتی ہے وغیرہ وغیرہ سوچو جب تم بچے تھے طینت اعلی طینت ادنی کی مطیع تھی اور تم لذائذ نفسانی میں مشغول رہتے تھے مگر جب سے آثار بلوغ نمودار ہوئے اسوقت سے طینت اعلی بھی زور آزمائی کرتی ہے اور دونوں قوتوں مین جنگ وجدل برپا رہتی ہے کبھی یہ اسکو پچھاڑ لیتی ہے کبھی وہ اسکو دے پٹکتی ہے۔ اسی جنگ کو پرانوں میں دیواسر سنگرام کہا ہے اہل تصوف نے اسکا نام جہاد اکبر رکھا ہے وجہ اس جنگ جدال کی یہ ہے کہ تم میں ایک جزو تو فانی ہے اور دوسرا باقی۔ جزو باقی تو ہمیشہ بقا کی طرف مائل کرتا ہے اور جزو فانی ہمیشہ اشیائے فانی کی طرف جھکتا ہے

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز	کبوتر با کبوتر باز با باز

پس باقی اور فانی دونوں قوتوں کو بخوبی زیر نظر رکھنا اور فریقین کی جنگ کو بغور

ملاحظہ کرماست اور است کا ملیک کہلاتا ہے۔

(۲) سبق۔ ویراگ یعنی ترک۔ اگر پہلا سبق خوب ذہن نشین ہوگیا ہے تو تم کو معلوم ہوگا کہ انسان اپنے جزو باقی ہی کے ذریعہ سے منزل مقصود کو پہونچ سکتا ہے نہ کہ بذریعہ جزو فانی کے۔ پس دیوا سر سنگرام میں اگر خصلت ملکوتی نے فتح پائی تو تمہارا نام فہرست امیدواران راحت دوام میں درج ہوجائیگا اور تم کسی نہ کسی وقت اپنی مراد کو پہونچوگے۔ اور اگر خصلت بہیمی نے فتح پائی تو پھر جو راسی اور مصیبت کے پھندے میں پھنسوگے۔ دیکھئے پھر کب یہ موقع ہاتھ آتا ہے کتنی مدت بعد یہ جنگ پھر نصیب ہوتی ہے بھگوت گیتا میں ایک اشلوک ہے جسکے معنی یہ ہیں "بہت خوش قسمت ہیں وہ چھتری جنکو یہ جنگ نصیب ہوتی ہے" اس لئے اس جنگ میں تھا۔ ی پوری کوشش وامداد دہرم کی جانب ہونی چاہئے تاکہ ملکوتی خصلت فتحیاب ہو اور بہیمی خصلت قطعی اسکی مطیع ہوجائے جب طینت ادنی مطیع ہوجاتی ہے تو انسان فرشتوں سے بھی فائق ہوجاتا ہے کیونکہ فرشتوں میں بہیمی خصلت نہیں ہے اور جب طینت اعلی مغلوب ہوجاتی ہے تو انسان بہائم سے بدتر ہوجاتا ہے کیونکہ بہائم میں ملکوتی خصلت نہیں ہے

از ملائک حصہ داری وز بہائم نیز ہم		گذر از حد بہائم کز ملائک بگذری

طینت ادنی کے مطیع ہونے پر درجہ ویراگ پیدا ہوتا ہے ویراگ کی چار قسمیں ہیں۔

اول شمشان ویراگ وہ ویراگ ہے جو کسی شخص کے دفن کرنے یا جلانے کے وقت ہمراہیوں کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اس گھڑی تو انکو دنیا و مافیہا ہیچ معلوم ہوتی ہے اور ذات خدا کے سوا کسی کی تقا نظر نہیں آتی تھوڑی دیر کو دنیا کی محبت دل سے دور ہوجاتی ہے ادھر مردے کو داب کر یا جلا کر واپس آئے اور اپنے دنیوی متعلقوں میں مصروف ہوئے پھر وہی حسی لذات ہیں اور وہ ہیں۔ یہ ادنی قسم کا ویراگ ہے۔ شمشان کہتے ہیں مردہ جلانے کی جگہ کو۔

اور یہ ویراگ بس اسی حلقہ تک رہتا ہے وہاں سے واپس آئے اور کھول بھال گئے

دوؔم لکھوٹا ویراگ وہ ویراگ ہے جو کسی مصیبت کے پیش آنے پر پیدا ہوتا ہے۔ اسکو لکھوٹا گیان بھی کہتے ہیں۔ جب تک مصیبت کا سامنا رہتا ہے یہ ویراگ بھی رہتا ہے۔ جب مصیبت دور ہو جاتی ہے یہ گیان اور ویراگ بھی جاتا رہتا ہے اور انسان پھر انھیں لذائذ نفسانی اور کار و بار دنیوی مین مشغول ہو جاتا ہے اور جیسا مصیبت سے پہلے غافل و بیخبر تھا ویسا ہی پھر ہو جاتا ہے۔ یہ لکھوٹا ویراگ اسواسطے کہلاتا ہے کہ جیسے آنچ سے لاکھ پگھل جاتی اور اُس سے دور ہوتے ہی پھر سخت ہو جاتی ہے یہی کیفیت مصیبت کے واقع ہونے اور اُسکے ٹل جانے پر انسان کی ہوتی ہے

سوؔم مند ویراگ وہ ویراگ ہے کہ جس مین دنیا کے ساتھ راگ اور ویراگ دونون پائے جاتے ہیں۔ کبھی تو یہ خیال غالب ہوتا ہے کہ بے شک دنیا ہیچ و پوچ ناپائدار و فانی ہے اس مین دل لگانا عبث ہے اسکو ترک کرنا چاہئے یہ سوچکر دل کو اُسکی طرف سے روکتا ہے دوسرے وقت خواہشات کا ایسا زبردست ریلا آتا ہے کہ اسکے جوش و خروش مین وہ ویراگ بہا چلا جاتا ہے۔ یا ایسا انسان کوشش کرتا ہے اور کبھی وہ دنیا پر اور کبھی دنیا اُس پر غالب آتی ہے۔ یہ حالت کشمکش یعنی دیواسر سنگرام کا وقت ہوتا ہے۔ آخر کار دنیا غالب رہی تو انسان گیا گذرا ہوا اور جو دنیا کو مغلوب کر لیا تو میدان اسکے ہاتھ رہا۔ یہ نہایت نازک وقت ہوتا ہے طالب کو چاہئے کہ بہت سمجھ بوجھ کے اس راہ میں قدم رکھے اور نفس سرکش پر پورا پورا قابو حاصل کرے راہ عرفان تیز تلوار کی دھار پر چلنا ہے اس مین خوب ثابت قدم رہنا چاہئے ورنہ ذرا سی لغزش مدت کا کیا کرایا کام بگاڑ دیتی ہے۔

روایت ہے کہ ایک عابد کسی ندی کے کنارے مشغول عبادت تھا وہین

ایک دھوبی آیا اور کپڑے دھونے لگا جنکی چھینٹیں عابد پر پڑیں لیکن مگر اُسنے کچھ دیر تک اپنے نفس کو روکا اور غصہ کو ضبط کیا - مہاراج سری کرشن جی اُسوقت مہارانی رکمنی جی کے ساتھ دوارکا میں چوسر کھیل رہے تھے اُنکو دھوبی کی یہ حرکت ناگوار معلوم ہوئی دویا سے تو مہاراج کے ہاتھ سے چھوٹے تیسرا ہاتھ کا ہاتھ ہی میں رہگیا کیونکہ اُسوقت خیال دوسری طرف کا تھا اور چاہتے تھے کہ دھوبی کو سزا دیں اتنے میں عابد کو غصہ آ ہی گیا لگا دھوبی سے لڑنے اور تو تو میں میں کرنے - پھر تو مہاراج ہنس پڑے - رکمنی جی نے بہت پوچھا تو فرمایا کہ کوئی خاص بات نہ تھی دو دھوبی آپس میں لڑتے تھے میرا خیال اُن کی طرف بٹ گیا تھا - یہ کہکر بدستور کھیل میں مصروف ہو گئے

چہارم درڑھ ویراگ وہ ویراگ ہے کہ جس میں دنیا کا پورا ترک ہوجاتا ہے پھر تو دل میں الفت دنیا کی ذرا بھی باقی نہیں رہتی یہ ویراگ ہمیشہ ایک سا رہتا ہے اور یہ دل کی وہ حالت ہے کہ سب خصلتیں ملکوتی فتح کامل پا لیتی ہے اور بہیمی خصلت ہمیشہ ہمیشہ کو مطیع و مغلوب ہوجاتی ہے درڑھ ویراگ ہی اصلی ویراگ ہے باقی تین قسمیں جو بیان کی گئیں وہ اُسکی ناقص صورتیں ہیں اسواسطے کہ اُن میں کمی بیشی کو دخل ہے -

نقل ہے کہ ایک شخص کبیر داس جی کی تلاش میں اُنکے گھر پہونچا - دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کسی کی نعش کے ہمراہ گئے ہیں - اُسنے پوچھا کہ وہاں تو بہت سے آدمی ہونگے اُنکو کیونکر پہچانونگا تو کبیر کے لڑکے نے جواب دیا کہ کل ہمراہیان کے سر کے گرد ایک حلقۂ نور معلوم ہوگا جو واپسی کے وقت کم ہونا شروع ہوجائیگا یہانتک کہ گھر پہونچتے پہونچتے اُسکا کچھ اثر باقی رہیگا مگر کبیر داس جی کا حلقۂ نور برابر ایک سا رہیگا بس یہی اُن کی پہچان ہے چنانچہ وہ شخص گیا اور جو کیفیت کہی تھی وہی دیکھی کبیر داس جی کو پہچان لیا اور

اُنکے ساتھ ساتھ اُنکے مکان پر آیا پہلا سوال اُس شخص نے اِس حلقہ نورہی کی نسبت کیا کبیر نے جواب دیا کہ اسوقت سب لوگون پر اسمشان ویراگ کی حالت طاری تھی جو واپسی کے وقت کم ہونے لگی اِس لئے انکا حلقہ نور بھی جو ویراگ سے پیدا ہوا تھا جاتا رہا مجھکو درڑھ ویراگ حاصل ہے اسواسطے میرا حلقہ نور قائم و دائم ہے۔

(۳) سبق کھٹ سمپتی یعنی چھ صفات جو ویراگ سے پیدا ہوتے ہین۔

اوّل شم دل کا مطمئن ہونا یعنی ہوا و ہوس سے پاک ہوجانا۔ دوم دم ۔ اندریون کا محسوسات کی طرف نہ کھینچنا سوم اُپرتی تعصب و طرفداری کا دور ہوجانا۔ چہارم تتکشا سردی گرمی مان اپمان کو صبر سے برداشت کرنا پنجم شردھا۔ شاستر اور کاملین کے اقوال پر یقین کامل کرنا ششم سمادھان ۔ سکھ دکھ مین طبیعت کا یکسان رہنا یعنی شانتی۔

(۴) سبق ۔ مُمکشتو یعنی خواہش نجات جب ہر سہ سبق مذکورہ دلپر منقوش ہوجاتے ہین اور دل مین شانتی آجاتی ہے تو طالب فانی سے ہٹ کر باقی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تاکہ باقی کو حاصل کرکے فانی سے ہمیشہ کے لئے نجات پاوے۔

تلاش باقی مین تمکو مرشد کامل سے مدد ملیگی ۔ مگر جب تک یہ چارون سبق یاد نکروگے اُسوقت تک مرشد کامل کے پانے کی قابلیت تم مین پیدا نہوگی اسواسطے پہلے اِن سبقون کے یاد کرنے مین دل سے کوشش کرو۔ اِن چار سبقون کے یاد ہوجانیکے بعد تمکو تکلیف سے بہت کچھ رہائی حاصل ہوجائیگی اور ایسی راحت پاؤگے جو اِس وقت تمھارے قیاس مین بھی نہین آسکتی تکلیف اور میں تمکو راحت کی تلاش مین وقتاً فوقتاً مدد دیتے رہینگے مگر حصول راحت دوام بلا رہبری و دستگیری مرشد کامل ناممکن ہے ۔ جب یہ چارون سبق خوب یاد کروگے تو مرشد کامل نصیب ہوگا

اور بذریعہ جارسی کے تم کو پدرانہ محبت کے ساتھ تعلیم و تلقین کریگا اور درجۂ کمال کو پہونچاے گا تب تمکو راحت دوام حاصل ہوگی ع

پیر را بگزین کہ بے پیر این سفر ۔ ہست بس پر آفت و خوف و خطر
ہیچ نکشد نفس را جز ظل پیر ۔ دامن آن نفس کش را سخت گیر
دامن او گیر زوتر بے گمان ۔ تا رہی از آفت آخر زمان
دست زن در ذیل صاحب دولتے ۔ تا ز افضالش بیابی رفعتے
رو بجسپ اندر پناہ مقبلے ۔ بو کہ آرادت کند صاحب دلے

اے عزیز ایک نصیحت کرتا ہون اُسکو کبھی نہ بھولنا کسی ہی ترقی کرلو کبھی غرور نہ کرنا ع

بے نہایت حضرت ست این بارگاہ ۔ صدر را بگذار صدر تست راہ

کم ظرف آدمی تھوڑی ترقی سے مغرور ہوجاتے ہیں اُن کو منازل آیندہ کا خیال نہین رہتا انکساری اور فروتنی کو ہمیشہ عزیز رکھنا اور تکبر کے شیطان کو کبھی دل مین جگہ نہ دینا اور ہمیشہ اس مضمون کو دل نشین رکھنا ع

بندگی اور حق پرستی کچھ نہونا ہے نیاز ۔ کچھ ہونے کے سوا اور حق پرستی کچھ نہین
یہ جو کچھ ہونا ہوا تا اسکو کہتے ہیں میاں ۔ فقر میں ہستی یہی ہے اور ہستی کچھ نہیں

بس خودی کا مٹانا ہی راحت دوام کا پایا ہے

روایت ہے کہ ایک عابد کسی پہاڑ پر کنج خلوت میں مصروف عبادت تھا جب اسی طور سے ایک مدت گذری تو اُسکے دل مین یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ میری اس ریاضت کا نتیجہ کچھ ظہور میں نہ آیا چونکہ ایمان کا ہونا خرابی کا باعث ہے اسلئے ایشر اسپنے بھگتون کو

اُس سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس واسطے اُس عابد کو آکاش بانی (ندائے غیب) ہوئی کہ کاشی میں فلاں بنئے کے پاس جا۔ چنانچہ وہ حسب ہدایت کاشی پہونچا۔ وہاں دیکھا کہ ایک چھوٹی سی گلی میں پرچون کی دکان پر وہ بنیا آٹا دال نون تیل بیچ رہا ہے اور اپنے کام میں ایسا مستغرق ہے کہ گویا دنیا و مافیہا کی اُسکو کچھ خبر نہیں۔ عابد نے دل میں خیال کیا کہ یہ بیچارہ نون تیل بیچنے والا ایسا کیا ہے جسکے پاس میں بھیجا گیا ہوں۔ بہت دیر تک اُس دکان کے کنارے لگا کھڑا رہا۔ بنئے نے صورت دیکھتے ہی پہچان تو لیا مگر قصداً اُسکی طرف کچھ التفات کیا جب بہت عرصہ ہوگیا اور سودا بیچنے سے لالہ کو کچھ فرصت ملی تو عابد کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ آپ کیوں کھڑے ہیں عابد نے کہا میرا ایک مطلب ہے بنئے نے مونڈھا ڈال دیا اور کہا کہ بیٹھو اور پھر بدستور اپنے کاروبار میں مصروف ہوگیا۔ دوپہر کو دکان بند کی اور عابد کو اپنے گھر ساتھ لایا اشنان پوجا سے فراغت کرکے پہلے اُس کو کھانا کھلوایا پھر آپ کھایا بعد ازاں کہا کہ سنو صاحب آپ میرے پاس اس واسطے بھیجے گئے ہیں کہ اوّل تو آپ کو اپنی تپسیا کا ابھمان ہوگیا ہے یعنی سمجھتے ہو کہ ہم نے بہت تپسیا کی دوسرے اِس تپسیا کا نتیجہ چاہتے ہو سو یہ دونوں خیال غلط ہیں۔ اول تو تپسیا کرنا اور یاد الٰہی میں مشغول رہنا ہمارا عین فرض ہے اسمیں ابھمان کی کیا بات ہے۔ زندگی بھر ہم کھانا کھاتے ہیں مگر کبھی یہ ابھمان نہیں ہوتا کہ ہمکو اتنی مدت کھانا کھاتے ہوگئے یہی حال پوجن بھجن کا سمجھو جو روح کی غذا ہے۔ دوم نتیجہ کی خواہش جو آپکے دل میں ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابھی آپ ادنے درجے کے کرم میں ہیں۔ ایک درجہ بھی ترقی نہیں کی۔

کرم چار قسم کے ہوتے ہیں سکام نشکام ایشور آرپن۔ سوابھاوک

(۱) سکام کرم وہ ہیں جو غرض کے لئے کیے جاتے ہیں اور اُن سے کوئی خاص نتیجہ

مدنظر ہوتا ہے۔

(۲) نشکام کرم وہ ہین کہ بلا خیال نتیجہ کے صرف فرض سمجھکر کئے جاتے ہین ایسے کرموں سے صفائی قلب ہوتی ہے۔

(۳) ایشور آرپن کرم۔ اِسی کو شرناگتی مارگ بھی کہتے ہین۔ جب نشکام کرم کے ذریعہ سے صفائی قلب حاصل ہوتی ہے تو انسان کے دل مین بھگتی پیدا ہوتی ہے اور درجہ بدرجہ اسقدر غلبۂ عشق ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے سب کرمون کو ایشور آرپن کردیتا ہے ؏

سپردم بتو مایۂ خویش را		تو دانی حساب کم و بیش را	

اور آخر کار بحر کرم کے دریا مین غرق ہوجاتا اور قید خودی سے رہائی پاتا ہے۔ اس مقام پر پہونچکر فرائض کی پابندی بھی لازم نہین رہتی ؏

اینجا بحقیقتے رسد مرد		کز محنت کفر و دین شود فرد	

لیکن اِس مرتبہ کو پہونچنے سے پہلے ترک فرائض ناجائز ہے۔

(۴) سوابھاوک کرم۔ جب انسان کو پوری بھگتی ہوتی ہے تو اُسکو ایشور کی قربت اور عرفان حاصل ہوتا ہے۔ پھر وہ بذریعہ حق الیقین ہمہ اوست کے مرتبہ کو پہونچکر کل عالم کو جلال ربانی دیکھتا اور دوئی سے نجات حاصل کرتا ہے صفات باری کو پاکر مثل ذات باری سراپا ترحم ہوکر سوابھاوک کرم کرتا ہے۔

بھگوت گیتا میں مستندی کو بار بار یہی ہدایت کی ہے کہ سکام کرم چھوڑ کر نشکام کرم پر قائم ہو کیونکہ نشکام کرم سے بھگتی ہوتی ہے اور بھگتی سے گیان اور گیان سے موکش اس لئے نشکام کرم عرفان کی پہلی منزل ہے تپشوری جی مہاراج اب آپ غور کیجئے

کہ منزل مقصود سے آپ کس قدر دور ہیں ابھی تو سکام کرم ہی مین آپ پھنسے ہوئے ہیں - راہ عرفان مین تو قدم بھی نہین رکھا اور ابھی سے آپ کو غرور ہوگیا - بلاغرض یاد خدا کرنا اور اُسکی مخلوق کی خدمت بجالانا عبادت کہلاتی ہے - مناسب ہے کہ اِس غرور سے توبہ کرکے عبادت شروع کیجیئے - یہ سنکر عابد کا غرور دور ہوگیا اُس نے بلنے کے قدم چھوے اور اجازت لیکر عبادت کرنے کو چلدیا ۵

آنان کہ بسوے عشق مستند	حق را ز براے حق پرستند
حق را بامید و بیم خوانی	ہیہات بعاتقان چہ معنی
اسے بے خبر این غرور تا کے	سوداے بہشت و حور تا کے
ای در تگ و پوے مرد و یاداش	این نیست مگر طریق او باش
آن قبلہ برون ازین جہات ست	آن کعبہ وراے کائنات ست